شکر العطاء

(شکرِ نعمت)

صفحہ	عنوانات	نمبر شمار
۷	تمہید	۱
۸	حضور ﷺ کی شانِ عبدیت	۲
۹	انبیاء علیہم السلام اور حضور ﷺ میں نسبت	۳
۹	مراتب انبیاء علیہم السلام کے بیان میں ادب کی رعایت	۴
۱۰	صورتِ گناہ پر گناہ کا اطلاق	۵
۱۱	دلیل قرب	۶
۱۲	عتاب کا انداز بلیغ	۷
۱۲	حضور ﷺ کے برتاؤ کی حقیقت	۸
۱۴	ضابطہ کا برتاؤ	۹

۱۰	گناہ کی اقسام	۱۵
۱۱	تنزیہ کی حد	۱۶
۱۲	شیخ کامل کی ضرورت	۱۷
۱۳	ایک بزرگ کا امتحان	۱۹
۱۴	محبوب کی شکایت کا لطف	۲۰
۱۵	محبوب کے کلام کا مزہ	۲۲
۱۶	محبوب کی ہر ادا محبوب ہے	۲۳
۱۷	حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب کی وجہ	۲۳
۱۸	اشکال کا جواب	۲۴
۱۹	رضائے الٰہی کی دلیل	۲۵
۲۰	مقصود پر نظر ہو ثمرات پر نہیں	۲۶
۲۱	طالبِ ثمرات کا نقصان	۲۷
۲۲	بندہ کی شان	۲۸
۲۳	صحابہ رضی اللہ عنہم کے سوال کا باعث	۲۹

۲۴	مجذوب حقیقی و عرفی	۳۰
۲۵	عقل کی فضیلت	۳۱
۲۶	اللہ کی مدد	۳۲
۲۷	شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا علم اور سادگی	۳۳
۲۸	کاملین کی پہچان	۳۴
۲۹	اولیائے کاملین کا حال	۳۵
۳۰	مشاہدۂ حق کی دو صورتیں	۳۶
۳۱	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابہ رضی اللہ عنہم کو تعلیم	۳۷
۳۲	قاعدۂ کلیہ	۳۸
۳۳	عطائے نعمت کے بعد شکر	۳۹
۳۴	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اللہ ہی کا فرمان ہے	۴۰
۳۵	حقوقِ جلوہ خداوندی	۴۱
۳۶	دوسرے کے کام میں دخل نہ دو	۴۲
۳۷	رَمَل میں حکمت	۴۳
۳۸	حصول مقصود کے بعد بھی شکر لازم ہے	۴۴

۳۹	ہماری بے حسی	۴۵
۴۰	خوفِ خدا سے رونے کا فائدہ	۴۶
۴۱	اہتمامِ دعا	۴۷

وعظ

شکر العطاء

(شکرِ نعمت)

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے بروز جمعہ ۷ ذیقعدہ ۱۳۳۶ھ کو جامع مسجد تھانہ بھون ضلع مظفر نگر میں نماز استسقاء کے عزم کے بعد بارش ہوجانے پر ۲ گھنٹے بیس منٹ تک ارشاد فرمایا۔

موضوع تھا کہ اگر کسی مقصود کے حاصل ہوجانے کی غرض سے کوئی عبادت کی جائے اور وہ مقصود پورا ہوجائے تو بطورِ شکریہ اس عبادت کو پھر بھی کرنا چاہیئے۔

حکیم محمد یوسف صاحب بجنوری مرحوم نے یہ وعظ قلم بند فرمایا ہر طبقہ کے لئے مفید ہے۔

خلیل احمد تھانوی

۲۱/ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریك لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ و بارك وسلم اما بعد:

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم:((اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا))(۱)

تمہید

مقصود میرا اس وقت صرف فقہاء کے اس قول کی اصل بیان کرنا ہے کہ انہوں نے نماز استسقاء کے باب میں بیان کیا ہے کہ نماز کا قصد کر لینے کے بعد اگر نماز سے پہلے بارش ہوجائے تب بھی مناسب ہے کہ نماز پڑھ لی جائے وجہ یہ ہے کہ یہ شکر ہے نعمت کا (کذافی الدر المختار آخر باب الاستسقاء وقال الشامی ویستزیدون منَ المطرِ)(۲) فقہاء کا یہ قول نقل کر کے سنت سے اس کی من وجہ اصل بیان کروں گا جس سے قول فقہاء کے لئے استیناس حاصل ہوجاوے(۳)۔ من وجہ(۴) اس لئے کہا کہ یہ کہیں منقول نہیں دیکھا کہ فقہاء کرام کے اس قول کا اصل ماخذ

---

(۱) ’’کیا میں شکر گزار بندہ نہ ہوں‘‘ (۲) یعنی وہ بارش کی کثرت کے طلبگار ہیں (۳) فقہاء کے قول سے موانست حاصل ہوجائے (۴) ایک اعتبار سے۔

کیا ہے اگر اصل منقول ہوتی تو میں من وجہ کی قید نہ لگاتا وہی وجہ کافی ہوتی، نیز اس لئے بھی من وجہ کہا کہ جو اصل میں بیان کرونگا اس پر کچھ سوالات پیدا ہوسکتے ہیں اوران سوالات کے جوابات میری سمجھ میں نہیں آئے اس لئے میں اصل کامل کی نقل کا دعویٰ نہیں کرتا۔ ہاں اس کو قول فقہاء کے لئے استینا س کا درجہ ضرور حاصل ہے۔ رہا یہ کہ پوری اصل کیا ہے تو یہ محققین سے معلوم ہوسکتا ہے یا جو محقق ہوں خود تحقیق کرلیں۔ یہ کیا ضروری ہے کہ ایک شخص سارے کام کرسکے جو مجھ سے نہیں ہوسکتا اس کو محققین کے حوالہ کرتا ہوں۔

حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی شان عبدیت

یہ حدیث ((افلا اکون عبدا شکورا)) طویل ہے۔اس میں سے حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا ارشاد اتنا ہی نقل کردیا جس کی اس وقت ضرورت ہے۔ باقی الفاظ حدیث کے محفوظ بھی نہیں۔ اس حدیث کا واقعہ یہ ہے کہ حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی یہ عادت تھی کہ عبادت میں رات بھر کھڑے رہتے تھے کہ قدم مبارک ورم کرآتے تھے حالانکہ حق تعالیٰ نے آپ کی شان میں یہ ارشاد فرمایا: ﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ﴾(۱) کہ ہم نے آپ کے اگلے پچھلے ذنوب(۲) سب بخشدیئے۔ اس پر بعض صحابہ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ کا یہ خیال تھا کہ آپ مشقت کو کم کردیں کیونکہ جب مغفرت ہوچکی تو اب مشقت کی کیا ضرورت ہے، اسی بناء پر حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے عرض کیا کہ اب تو حق تعالیٰ نے فضل فرمایا کہ اگلے اور پچھلے ذنوب سب معاف کردیئے اب اس قدر مشقت نہ اٹھایئے، اس پر آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: ((افلا اکون عبدا شکورا)) کہ کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں اور آیت میں جو آپ کی طرف ذنب کو منسوب کیا تو یہ ذنوب

(۱) سورۂ فتح:۲ (۲) تمام گناہ۔

صورۃً ہیں حقیقۃً نہیں (۱) کیونکہ انبیاء علیہم السلام سب ذنوب سے معصوم (۲) ہیں اور آپ تو سب سے اکمل وافضل ہیں۔تو آپ کیوں نہ معصوم ہوں گے۔

انبیاء علیہم السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں نسبت

یہاں یہ بھی سمجھ لیجئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں اور دیگر انبیاء علیہم السلام میں کامل اور ناقص کا فرق نہیں بلکہ کامل اور اکمل الکاملین کا فرق ہے۔ سب انبیاء کامل ہیں ناقص کوئی بھی نہیں اور آپ اکمل الکاملین ہیں بلکہ سب انبیاء علیہم السلام اکمل ہیں اور آپ اکمل الاکملین ہیں کیونکہ کمال کے درجے متفاوت ہوتے ہیں کمال کی انتہا نہیں کمال حاصل ہونے پر اور بھی ترقی ہوسکتی ہے دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کامل تھا اور پھر بھی آپ کو فرمایا گیا ﴿قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا﴾ نیز غیر انبیاء علیہم السلام میں بھی بعض خاص بندوں کو کمال دیا گیا ہے اور وہ صراط مستقیم کے کامل درجہ پر ہیں مگر پھر بھی انکو حکم ہے کہ یوں دعا مانگا کریں ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ تو یہ اس لئے ہے کہ کمال کے مراتب کی کوئی انتہا نہیں اس اعتبار سے سب انبیاء علیہم السلام اکمل ہیں اور آپ اکمل الاکملین ، باقی یہ اعتقاد واجب ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں کوئی نقص نہ تھا۔

مراتبِ انبیاء علیہم السلام کے بیان میں ادب کی رعایت

اسی واسطے یوں کہنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقدم ہیں اور انبیاء علیہم السلام مؤخر ہیں خلاف ادب ہے گو کہ آپ کو مقدم کہنے سے ان کا موخر ہونا لازم آتا ہے مگر اس عنوان میں ادب کی رعایت ہے اور ادب کی رعایت عنوان میں بھی مطلوب ہے اور پہلے عنوان میں سوءِ ادب کا ایہام ہے (۳) اور جن الفاظ میں سوء ادب کا ایہام ہو ان سے بھی بچنا ضروری ہے۔

---

(۱) آیت میں جو گناہ کی نسبت آپ کی طرف کی یہ صورۃً گناہ ہیں حقیقتاً نہیں (۲) تمام انبیاء علیہم السلام گناہوں سے پاک ہیں (۳) بے ادبی کا گمان ہوتا ہے۔

صورتِ گناہ پر گناہ کا اطلاق

غرض جب آپ معصوم ہیں۔ تو ذنب کا اطلاق جو کیا گیا ہے وہ صورۃً ہے کبھی صورت پر بھی محاورات میں حقیقت کا اطلاق ہوتا ہے جیسے دیکھا ہوگا کہ بعض لوگ مٹی کے کھلونے لئے پھرا کرتے ہیں کسی پر خر پزہ (۱) کا اطلاق ہوتا ہے کسی پر آم کا۔ کسی پر نارنگی کا علیٰ ہذا القیاس یا جیسے دیوالی میں مٹھائی کے کھلونے بناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ہاتھی ہے یہ گھوڑا ہے یہ شیر ہے ان کی حقیقت تو خر پزہ اور ہاتھی وغیرہ نہیں مگر چونکہ صورۃً ویسے ہی ہیں اس لئے حقیقت کا اطلاق کر دیا گیا ہے، نیز بعض باتیں کسی شخص کے درجہ کے اعتبار سے ذنب کہلاتی ہیں گو حقیقت میں ذنب نہیں ہوتیں۔ اس کی مثال اس حکایت سے سمجھ سکتے ہیں کہ ایک بار امساک باراں (۲) سے سخت تکلیف تھی ایک روز بارش ہوئی ایک بزرگ کہنے لگے کہ آج کیسے موقع پر بارش ہوئی ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ یہ کلمہ ثناء شکر کا ہے یا نہیں مدح اور طاعت ہے یا نہیں ظاہر ہے کہ کلمہ مدح کا ہے انہوں نے شکر بھی ادا کیا اور مدح بھی کی دونوں عبادتیں جمع ہوگئیں مگر چونکہ ہر مرتبہ کا حکم جدا ہوتا ہے اس لئے ان سے اس پر باز پرس ہوگئی، الہام ہوا کہ بے ادب تو جو کہتا ہے کہ آج بڑے موقع پر بارش ہوئی تو بتا بے موقع کس دن ہوئی تھی؟ حالانکہ یہ مدح بھی تھی مگر پھر بھی عتاب ہوا اگر کوئی کہے کہ آپ نے زبردستی منوالیا کہ یہ مدح تھی۔ حقیقت میں مدح نہیں تھی کیونکہ لفظ آج قید احترازی ہے میں کہوں گا کہ عوام الناس کے محاورہ میں اور بول چال میں یہ قید احترازی نہیں مثلاً کوئی اپنے گھر کھانا سویرے کھائے اور یوں کہے کہ آج کھانا کیا اچھے وقت مل گیا تو یہ قید احترازی نہیں ہوتی۔ اسی طرح

(۱) خربوزہ (۲) بارش کے نہ ہونے سے۔

ان بزرگ کے کلام میں قید احترزی نہ تھی مگر چونکہ اس میں ایہام تھا دوسری جانب کا اس لئے عتاب ہوگیا کہ تم نے ایسا کلام کیوں منہ سے نکالا واقع میں بے ادبی نہ تھی مگر تفاوت مرتبہ کے اعتبار سے عتاب ہوا۔مطلب یہ تھا کہ تم تو مقرب ہو مزاج شناس ہو واقف ہو پھر تم نے ایسا کلام کیوں منہ سے نکالا جس میں قید احترازی ہونے کا ایہام ہوسکتا تھا۔

دلیلِ قرب

بس اتنی بات پر کم بختی آ گئی مگر یہ کم بختی ہی دلیل ہے قرب کی ایسی کم بختی بھی بڑوں ہی کی آیا کرتی ہے ایسے حقوق کا مطالبہ بھی مقربین ہی سے ہوتا ہے۔ دیکھئے ازواج مطہرات کے بارے میں حق سبحانہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ مَنْ یَّاْتِ مِنْکُنَّ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ یُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَیْنِ﴾ (۱) کہ تم سے اگر ناشائستہ حرکت یعنی ایذاء رسول ﷺ کا صدور ہوا تو دونی سزا ہوگی۔آگے ارشاد ہے ﴿یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ (۲) کہ تم اورعورتوں کی مثل نہیں ہو تمہارا معاملہ ہی جدا ہے خود حضور ﷺ کے لئے تجویز کیا گیا تھا: ﴿اِذًا لَّاَ ذَقْنٰکَ ضِعْفَ الْحَیٰوۃِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَکَ عَلَیْنَا نَصِیْرًا﴾ (۳) اسی طرح مقربین کو اجر بھی زیادہ ملتا ہے چنانچہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے اکیلے کو اتنا بخار چڑھتا ہے جتنا تم میں سے دو کو چڑھے کیونکہ ہم کو اجر زیادہ ملتا ہے جتنا مطالبہ زیادہ ہے اسی قدر اجر بھی زیادہ ہے مولانا فرماتے ہیں ؎

زاں بلاہا کانبیاء برداشتند سر بہ چرخ ہفتمیں افراشتند (۴)

(۱) سورۂ احزاب: ۳۰ (۲) سورۂ احزاب: ۳۲ (۳) ’’اگر ایسا ہوتا تو ہم آپ کو حالت حیات میں اور بعد موت کے دُوہرا عذاب چکھاتے پھر آپ ہمارے ضابطے میں کوئی مددگار نہ پاتے‘‘ سورۂ بنی اسرائیل: ۷۵ (۴) وہ آزمائشیں جو انبیاء برداشت کرتے ہیں ساتوں اقالیم کے لوگ مل کر بھی برداشت نہیں کر سکتے۔

عتاب کا انداز بلیغ

بہرحال اس بلندی مرتبہ کی وجہ سے ایسے امور پر بھی عتاب ہوجاتا ہے جو واقع میں ذنب نہیں ہوتے دیکھئے آیت: ﴿عَبَسَ وَتَوَلّٰۤی اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی﴾ (۱) جس واقعہ میں نازل ہوئی ہے وہ کیسی معمولی بات تھی کہ جس پر عتاب ہونے کا وہم وگمان بھی نہ ہوسکتا تھا مگر عتاب ہوا اور عتاب بھی عجیب وغریب عنوان سے کہ غائب کے صیغہ کے ساتھ عتاب فرمایا معنی یہ ہیں کہ ایک شخص ہیں کہ انہوں نے ترش روئی کی اور منہ پھیرلیا ''عبست وتولیت'' (۲) صیغہ حاضر کا نہیں لائے اس میں آپ کی عظمت ووقعت کی کس قدر رعایت فرمائی ہے کہ اوروں کو پتہ نہ چلے کہ کس کو عتاب ہوا ہے قرآن شریف تو محاورہ کے موافق نازل ہوا ہے ہم لوگ بھی اگر ایسے شخص کی شکایت کرتے ہیں جس کا ہم کو لحاظ وپاس ہوتا ہے تو اس عنوان سے شکایت کرتے ہیں کہ ایک صاحب ہیں انہوں نے یہ بیجا حرکت کی اس عنوان سے کہنے میں اس کو وہی سمجھے گا جس پر عتاب واقع ہے دوسرے کو بدون ان کے بتلائے ہوئے یہ معلوم نہ ہوگا کہ عتاب کس پر ہے (۳) ﴿عَبَسَ﴾ کے صیغہ میں عجیب لطف ہے شکایت بھی ہے مگر اس پیرایہ میں کہ کوئی خود گمان نہ کرسکے۔

حضور ﷺ کے برتاؤ کی حقیقت

جو معاملہ حضور ﷺ نے ان نابینا صحابی کے ساتھ کیا تھا وہ فتوے کی رو سے طاعت (۴) تھا جس کا حاصل یہ ہے کہ آپ ایک رئیس کافر کو جو اتفاق سے آگیا تھا اصولِ اسلام کی تبلیغ فرمارہے تھے ایک نابینا صحابی آئے اور انہوں نے اسی

(۱) ''تیوری چڑھائی اور منہ موڑا اس سے کہ آیا اس کے پاس اندھا'' سورۂ عبس: ۱،۲ (۲) تو نے تیوری چڑھائی اور تو نے منہ پھیرا (۳) ناراضگی کا اظہار کس پر کیا جارہا ہے (۴) نیکی تھا۔

وقت کچھ درخواست کی جو کہ بے موقع تھی مگر ان کے نابینا ہونے کی وجہ سے منظوری کے قابل تھی جیسے کوئی دیہاتی ناواقف حاکم کے یہاں بے ٹکٹ لگائے عرضی دیدے تو بعض دفعہ حاکم اس کو معذور سمجھ کر قبول کرلیتا ہے مگر آپ نے ضابطہ پر عمل کیا کیونکہ اول تو اس وقت ایک شخص کو دعوت ہورہی تھی ایسے وقت دوسرے شخص کو کیا موقع تھا اس درخواست کا، دوسرے اس رئیس کو اصول کی دعوت ہورہی تھی اور یہ فروع کے دریافت کرنے کو آئے تھے، تیسرے وہ ہر وقت کے حاضر باش تھے اور یہ رئیس اتفاق سے آ گیا تھا وہ دوسرے وقت بھی دریافت کرسکتے تھے پس چونکہ یہ بات بے موقع تھی اس لئے آپ پر ضابطہ کے اقتضاء سے عبوس کا اثر ہوگیا (۱)۔ مگر اس عبوس (۲) سے انکا دل نہیں دکھ سکتا کیونکہ اول تو صحابہ عاشق تھے اور عاشق کو محبوب کی ترش روئی بھی اچھی معلوم ہوتی ہے۔ دوسرے وہ نابینا تھے ان کو ترش روئی کا کیا پتہ چلتا وہ چہرے کو دیکھتے ہی نہ تھے جو اس تغیر کو محسوس کرتے جب دل ہی نہ دکھا تو پھر قاعدہ سے وہ شکایت کی بات ہی نہ تھی الغرض آپ نے تو ضابطہ پر بھی اس طرح عمل کیا تھا جس میں دل آزاری کی بھی ملامت نہیں ہوسکتی تھی مگر یہ ضابطہ کا برتاؤ نابینا کے ساتھ خدا تعالیٰ کو ناپسند ہوا اور آپ کو جتلایا گیا کہ اس وقت آپ کو رعایت کا برتاؤ کرنا چاہیئے تھا اور اس کی بے ڈھنگی درخواست کو منظور کرلیا ہوتا، بتلائیے آپ نے کونسا جرم کیا تھا آپ نے تو ضابطہ کی پابندی کی تھی ہاں آپ کی دقیق شان کرم سے یہ بات مستبعد تھی کیونکہ اگر وہ صحابی سوانکھے ہوتے (۳) تو آپ دل شکنی کے خیال سے ترش روئی نہ فرماتے اس لئے اس پر عتاب ہوا کہ گو وہ دیکھتے نہ تھے مگر کرم کا مقتضا یہ تھا کہ ایسا ہی برتاؤ فرماتے جیسے وہ دیکھتے ہوتے مگر

---

(۱) اس وقت ان کے بے موقع مطالبہ سے ناگواری پیش آئی جس کا اظہار ہوگیا (۲) مگر اس ناگواری سے (۳) بینا ہوتے۔

عتاب بھی عجیب عنوان سے نازل ہوا جس کا لطف مخفی نہیں کہ ایک تو غائب کا صیغہ استعمال کیا جیسا اوپر مذکور ہوا دوسرے ﴿اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى﴾ سے آپ کا عذر بھی بیان کردیا کہ آپ نے ترش روئی اس واسطے کی تھی کہ وہ اندھے تھے انہیں ترش روئی کی کیا خبر ہوگی کیونکہ وہ تو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے اور جب ترش روئی کی خبر نہ ہوئی ہوگی تو اس سے تکلیف بھی نہ ہوئی ہوگی اور ترش روئی کی برائی اسی وجہ سے ہے کہ دوسرے کو تکلیف پہنچتی ہے اور جس صورت میں اس سے دوسرے کو کلفت کا اثر نہ پہنچے تو اس صورت میں کیا بُرائی ہے تو یہ آپ کا عذر بھی بتلادیا مگر باوجود اس عذر کے عتاب اسوجہ سے ہوا کہ آپ نے اس کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا ہوتا کہ اگر وہ بینا ہوتے تو اس وقت بھی وہ برتاؤ کرسکتے ۔ مجھ کو بعض مرتبہ تنبیہ ہوتی ہے راستہ میں کبھی کوئی اندھا ملتا ہے تو میں بعض اوقات اس کو سلام نہیں کرتا مزاج پرسی بھی نہیں کرتا مگر بعد میں شرما جاتا ہوں اور اپنے آپ کو بے حد ملامت کرتا ہوں کہ یہ تو خیانت ہے۔

ضابطہ کا برتاؤ

غرض یہاں ضابطہ پر عمل کرنے سے بناء بر معذوری سائل کے عتاب ہوا کیونکہ اس کو موقع بے موقع کا پورا امتیاز نہیں ہوسکتا تھا باقی جس جگہ سائل کو معذوری نہ تھی وہاں ضابطہ پر آپ نے عمل بھی کیا ہے اور اس پر عتاب بھی نہیں ہوا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ضابطہ پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ دیکھئے آپ ایک مرتبہ لقطہ کے احکام کا بیان فرمارہے تھے کہ کسی کو کوئی گم شدہ بکری ملے تو اس کو چاہیئے کہ پکڑ لے اگر مالک مل گیا تو وہ لے لے گا ورنہ تصدق کے بعد اور کسی کے کام میں آوے گی اگر اس کو ویسے ہی چھوڑ دے گا تو ممکن ہے کہ بھیڑیا لے جاوے ایک شخص نے عرض کیا ((فضالة الابل)) کہ گم شدہ اونٹ کا کیا حکم ہے اس پر آپ کا

چہرہ مبارک غصہ سے سرخ ہوگیا ورفرمایا: ((مالك ولها معها حذاء ها وسقاء ها)) مطلب یہ تھا کہ اونٹ ایسا جانور نہیں کہ اس کو کوئی درندہ پکڑ لے۔ کوئی اس کو ستا نہیں سکتا اس شخص نے بے ڈھنگا سوال کیا تھا اس پر آپ نے غصہ فرمایا اور وہ شخص معذور نہیں تھا کیونکہ اتنی بات وہ بھی جانتا تھا، اس قصہ میں آپ نے ضابطہ پر عمل کیا اور اس پر کچھ بھی نہیں ہوا نابینا کے قصہ میں مقصود صرف یہ تھا کہ آپ نے غور نہیں کیا کہ بعض حیثیتوں سے اس کی تعلیم مقدم تھی کیونکہ اس کا نفع یقینی تھا اور اس کافر کو تبلیغ کرنے کا نفع موہوم تھا اور یقینی مقدم ہوتا ہے موہوم (۱) پر پس اس غور نہ کرنے پر عتاب فرمایا سو یہ امر بوجہ آپ کے عالی مرتبہ ہونے کے صرف شان کے خلاف تھا۔ اسی طرح حق تعالیٰ نے آپ کی طرف جس ذنب کو منسوب فرمایا ہے وہ سب اسی قسم کے ہیں۔

گناہ کی اقسام

خلاصہ یہ کہ ذنب دو قسم کے ہوئے ایک تو وہ ہیں جو قانون مقرر کرنے کے بعد معلوم ہوجاتے ہیں مثلاً قانون مقرر ہوا کہ زنا کرنا منع وحرام ہے بس قانون مقرر کرنے کے بعد زنا کا ذنب ہونا معلوم ہوگیا۔ یہ تو ذنب حقیقی ہے اس سے انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں۔ ایک وہ ہیں کہ جن کے متعلق ہنوز کوئی قانون نازل نہیں ہوا بلکہ بعد عتاب کے انکا نامناسب ہونا معلوم ہوتا ہے یہ ذنب صوری ہے بلکہ واقع میں صوری بھی نہیں مجازاً اور مجازاً بھی ضعیف ذنب کا اطلاق اس پر ہوتا ہے کیونکہ اس واقع میں کسی کو ذنب ہونے کا شبہ بھی نہیں ہوا یہ صوری سے بھی گھٹا ہوا ہے۔ یہ معنی ہیں ﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ﴾ کے پس کوئی کسی قسم کا

(۱) جس کا نفع یقینی ہو اس کو اس کام پر مقدم کرنا چاہیئے جس میں صرف نفع کا امکان ہو۔

وسوسہ نہ کرے۔آپ گناہوں سے بالکل مقدس ومبرا ومنزہ ہیں۔رہا یہ شبہ کہ اگر یہ گناہ نہ تھا تو پھر عتاب کیوں ہوا جواب یہ ہے کہ محبوب اپنے محبّ کو خلاف شان امر پر بھی عتاب کرسکتا ہے مگر غیر محبوب کی مجال نہیں۔

تنزیہ کی حد

مگر یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ تنزیہ کی بھی ایک حد ہے اور وہ حد عبدیت ہے یعنی تنزیہ میں الوہیت کے درجہ تک پہنچانا نہ چاہیئے جیسا کہ بعض نے آپ کے منزہ ہونے میں بھی غلو کیا ہے اور حد سے بڑھ گئے ہیں، کاٹھیا واڑ کی حکایت سنی ہے کہ ایک شخص مسافر سیاح کسی مسجد میں پہنچے لوگوں نے مولوی سمجھ کر آگے کھڑا کردیا انہوں نے یہ رکوع پڑھا ﴿اَفَحَسِبَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا﴾ جس کی آخر آیت یہ ہے ﴿قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ الخ﴾ نماز کے بعد ایک شخص نے اعلان کیا کہ یہ شخص وہابی ہے اس نے ایسی آیت پڑھی جس میں تنقیص ہے آپ کی، حضرت کو بشر بنادیا اس لئے نماز کا اعادہ کیا جاوے میں نے اس حکایت کو سن کر کہا کہ یہ بات تو بڑی دور پہنچتی ہے یعنی اللہ میاں پر نعوذ باللہ اعتراض ہے وہابیت کا۔اللہ بچاوے جہالت سے۔ ایک شخص سورہ تبت کو پڑھنے سے منع کرتے تھے کہ اس میں آپ کے چچا کی برائی کا ذکر ہے اس کو نماز میں نہ پڑھنا چاہیئے مگر جو حضور ﷺ کے رشتہ داروں سے تعلق ہے وہ حضور ﷺ کی وجہ سے ہے سو یہ دیکھنا چاہیئے کہ حضور ﷺ پر کیا اثر ہوتا تھا اس سورت کا اور اس میں تو رشتہ داروں ہی کی شکایت ہے حضور ﷺ کو تو خود اپنی شکایت میں مزہ آتا تھا چنانچہ جب ابن مکتوم (صحابی نابینا جن کی وجہ سے سورۂ عبس نازل ہوئی) آتے تو آپ فرماتے مَرْحَبًا بِمَنْ عَاتَبَنِی فِیْهِ رَبِّیْ یعنی آیئے آیئے جناب آیئے اس خفگی کے چڑکہ لگنے کے باعث آپ ہی تو ہیں۔آپ کو اس خطاب

سے حظ ہوتا تھا(۱) عاشق کو محبوب کی شکایت میں بھی مزہ آتا ہے ان مخترعین(۲) میں عشق نہیں ورنہ عشاق کی تو یہ کیفیت ہے ؎

بدم گفتی وخرسندم عفاک اللہ نکو گفتی جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

شیخ کامل کی ضرورت

آپ کو کیا خبر جن پر یہ حالت گذرتی ہے ان سے پوچھیئے کہ شکایت میں کیا حظ اور لطف ہے ایک بزرگ تھے عابد زاہد کثیر المجاہدہ ایک دفعہ ان کو یہ خطاب ہوا کہ کچھ ہی کر کافر ہی ہو کر مرے گا۔ اس وقت ان کی کیا کیفیت ہوئی ہوگی کیسے پیچ وتاب کھائے ہوں گے ایسے وقت میں شیخ کامل کی ضرورت ہے اس پر اگر کوئی سوال کرے کہ جو خود بزرگ ہو اس کو شیخ کامل کی کیا ضرورت سو یہ ایک قصہ سے سمجھ میں آجاویگا۔ ایک وکیل سے ریل میں ملاقات ہوئی ان کا سہارنپور میں مقدمہ تھا وہاں جارہے تھے میں نے کہا کہ آپ کو تو وکیل کرنے کی حاجت نہ ہوتی ہوگی کہا کہ ہوتی ہے کیونکہ اپنا معاملہ ہونے کی وجہ سے طبیعت پر تشویش کا اثر ہوتا ہے جس سے عقل کام نہیں دیتی اسی طرح عارف کو بھی اپنے معاملہ میں پریشانی ہوتی ہے اور دوسروں کی ضرورت پڑتی ہے بلکہ کبھی اپنے سے چھوٹوں سے بھی نفع ہوتا ہے۔ تو بڑوں سے تو کیسے استغناء ہوسکتا ہے۔ مولانا فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ اسی رہبری کی حاجت کے متعلق فرماتے ہیں ؎

بے رفیقے ہرکہ شد در راہ عشق عمر بگذشت و نشد آگاہِ عشق(۳)

(۱) لطف آتا تھا (۲) دین میں نئی نئی باتیں پیدا کرنے والے (۳) بغیر شیخ کامل کے راہِ سلوک میں جو بھی قدم رکھتا ہے اس کی عمر گذر جاتی ہے لیکن عشق کے اسرار ورموز سے واقف نہیں ہوتا۔

مولانا فرماتے ہیں ؂

یار باید راہ را تنہا مرو بے قلاؤز اندرین صحرا مرو(۱)

ہر کہ تنہا نادر ایں رہ را برید ہم بعونِ ہمّت مرداں رسید(۲)

یعنی جہاں بظاہر امداد نہیں معلوم ہوتی وہاں بھی کسی کی امداد ہی ہوتی ہے بعض اوقات صاحب امداد کو بھی خبر نہیں ہوتی۔ دیکھئے ہم کو آفتاب سے فیض پہنچ رہا ہے مگر اس کو خبر نہیں کہ کس کس کو فیض پہنچا رہا ہوں۔ بلکہ بعض وقت دونوں میں سے کسی کو خبر نہیں ہوتی نہ ممِد کو نہ مُمَد کو(۳) جیسے ایک شخص آفتاب کی روشنی میں سی رہا ہے اس کی ضیاء سے منتفع ہو رہا ہے(۴) مگر اس کا خیال بھی نہیں آتا کہ آفتاب سے نفع اٹھا رہا ہوں تو سمجھ لو کہ ؂

بے عنایات حق و خاصانِ حق گر مَلک باشد سیہ ہستش ورق(۵)

خاصان حق کی عنایت کی بڑی ضرورت ہے۔ غرض ان بزرگ نے اپنے شیخ سے کہا انہوں نے جواب دیا کہ یہ دشنام محبت(۶) اور امتحان ہے کچھ غم نہ کرو اگر کوئی شخص کہے کہ یہ جھوٹ ہے کیونکہ واقع کے خلاف ہے پھر محبوب کی طرف سے جھوٹ کیا، خدا تعالیٰ تو صادق القول(۷) ہیں۔

جواب یہ ہے کہ کافر کے ایک معنی کافر بالطاغوت کے بھی ہیں کما فی قولہ تعالی: ﴿فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ﴾(۸) پس یہ تو بشارت تھی کہ تو کافر

(۱) کسی دوست ورہبر کو ساتھ لے لو اس راہ کو تنہا مت طے کرو بغیر چراغ کے اس صحرا و جنگل میں مت جاؤ (۲) بہت کم کسی نے یہ راہ تنہا طے کیا ہے حقیقت میں وہ بھی کسی کامل شیخ کی توجہ اور مدد سے پار لگا ہے (۳) نہ مدد کرنے والے کو نہ جس کی مدد کی جائے اس کو (۴) اس کی روشنی سے فائدہ اٹھا رہا ہے (۵) اللہ کی مہربانی اور بزرگوں کی توجہ کے بغیر اگر انسان فرشتہ صفت بھی ہو تو بھی زندگی کے اوراق سیاہ ہو جائیں گے اور مقصد حاصل نہ ہوگا (۶) محبت کی گالی (۷) بات کے سچے (۸) جو انکار کرے شیاطین کا۔

بالطاغوت ہو کر مرے گا۔ مگر ذرا چھیڑنے کے لئے صرف لفظ کافر ذکر کیا اور بالطاغوت کو چھوڑ دیا اس قول کے صدق کی یہ تاویل ہوسکتی ہے۔ اس لئے یہ اعتراض نہیں پڑتا اس قسم کی تاویل کو (علم مناظرہ کی اصطلاح میں) منع کہتے ہیں (جس کے معنی یہ ہیں کہ کلام میں ایسا احتمال نکال دینا جس پر اعتراض نہ واقع ہو) باقی یہ کہ اللہ میاں کی اس میں کیا حکمت تھی سو وہ ہمیں معلوم نہیں ہم کوئی صلاح مشورہ میں شریک تھے۔

ایک بزرگ کا امتحان

غرض بزرگوں کو امتحان طرح طرح سے پیش آتا ہے۔

بوستان میں حکایت لکھی ہے کہ ایک بزرگ تھے عبادت ومجاہدہ بہت کیا کرتے تھے ایک مرتبہ حق تعالیٰ کی طرف سے خطاب ہوا کہ تو کچھ بھی کر قبول نہ ہوگا ان کے مرید نے بھی اس کو سنا اس کو نہایت رنج ہوا۔ پیر کی محبت بھی بڑی ہوتی ہے۔ پیر صاحب کالے ہوجاویں تب بھی ان سے محبت، بڈھے ہوجاویں تب بھی محبت اگر کسی کو لڑکے کی محبت ہوجاتی ہے بس جہاں داڑھی نکلی اور محبت رخصت ہوئی عورت اگر سر منڈا ڈالے تو محبت کافور مگر یہ محبت عجیب ہے خوب کہا ہے ؎

آں دل کہ ام نمودے باخوبرو جواناں دیرینہ سال پیرے بردہ بیک نگاہی (۱)

غرض اس محبت کے سبب اس کو ندا سے سخت رنج ہوا مگر بزرگ صاحب اگلے دن بھی اپنے کام کے لئے اٹھے تو مرید نے غایت رنج سے کہا کہ حضرت غیرت بھی کوئی چیز ہے آپ تو کرتے ہیں اور وہاں سے یہ خطاب ہے کہ کچھ بھی کرو

(۱) خوبصورت نوجوانوں کو دیکھ کر جس دل پر آج رونق آجاتی ہے چند سال بعد جب یہ بوڑھے ہوجائیں گے تو ایک نگاہ ان کی طرف دیکھنا بھی دل کو پریشان کردیگا۔

قبول نہ ہوگا تو پھر اس مجاہدہ اور عبادت سے کیا نفع جب قبول ہی نہیں، تو پھر مشقت سے کیا فائدہ؟ پیر نے جواب دیا کہ بھائی اگر کوئی دوسرا دروازہ ہوتا تو وہاں چلا جاتا اب میں کہاں سر دے ماروں اور کہاں جاؤں یہ ان کا فعل ہے مجھ کو اس سے کیا کام، مجھے تو اپنا کام کرنا چاہیئے وہ قبول کریں یا نہ کریں بس یہ کہنا تھا اسی وقت خطاب ہوا ؎

قبول است گرچہ ہنر نیستت　　　که جز ما پناہے دگر نیستت (۱)

اس بشارت میں بھی چڑ کہ لگا ہوا ہے یوں فرمارہے ہیں کہ تم میں کوئی ہنر تو ہے نہیں مگر خیر قبول کئے لیتے ہیں کوئی تعریف ان کی نہ کی کہ تم عابد و زاہد ہو اس لئے قبول کئے لیتے ہیں تاکہ مغرور نہ ہوجاویں۔ ظاہر میں تو چڑ کہ ہے واقع میں تربیت ہے کہ عبادت و مجاہدہ پر ناز نہ ہوجاوے اور واقعی ہے بھی یہی کہ کس کا فعل قابل قبول ہے، ان پر ترس آگیا اور پنشن دیدی کہ پڑے رہو، ایسے ہی یہ امتحان تھا کہ کافر ہوکر مرے گا یہ دشنام محبت تھی جس کو شیخ نے بتلا دیا۔

محبوب کی شکایت کا لطف

غرض محبوب کی تو شکایت میں بھی مزہ آتا ہے چنانچہ اس کے متعلق ایک اور واقعہ ہے کہ حضور ﷺ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے بیان فرمارہے تھے کہ جس شخص نے ((لا الٰہ الا اللّٰہ)) کہا تو وہ جنت میں داخل ہوگا حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بار بار سوال کرتے تھے ((وان زنی وان سرق))اگرچہ وہ بدکاری اور چوری کرے آخر میں حضور ﷺ نے فرمایا ((وان زنی وان سرق وان رغم انف ابی ذر))یعنی اگرچہ تم کتنے ہی ناراض ہو اور تمہارا کلیجہ

(۱) قبول ہے اگرچہ تمہاری عبادت کچھ قابل قدر نہیں ہے اس لئے کہ تمہارے لئے میرے سوا کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔

بھی پھٹ جائے اور تمہاری ناک خاک آلود ہوجاوے کہ وہ شخص تو جنت ہی میں داخل ہوگا۔ یہ لفظاً عتاب تھا مگر جب حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اس حدیث کو کسی سے نقل کرتے تو یہ ضرور کہتے ((وان رغم انف ابی ذر)) اس میں ان کو بڑا مزہ آتا تھا یہ بھی خیال نہ کرتے تھے کہ مجلس میں اس فقرہ کے بیان کرنے سے فضیحت ہوگی [1] فضیحت تو وہ سمجھتا ہے جس کو عشق نہ ہواور عاشق کو تو لطف ہی آوے گا۔

شاہ ابوالمعالی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت ہے کہ آپ کے ایک مرید حج کو گئے آپ نے فرمایا کہ جب روضۂ مبارک پر پہنچو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں میرا سلام عرض کرنا چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ وہاں سے جواب ملا کہ اپنے بدعتی پیر سے ہمارا بھی سلام کہہ دینا آپ سماع سنتے تھے مگر وہ سماع جس کا تعلق شمار (یعنی ایمان) سے تھا وہ سماع الی السماء تھا اسی کو مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

دو وہاں داریم گویا ہمچونے یک دہاں پنہاں ست درلب ہائے وے [2]
یک دہاں نالاں شدہ سوئے شما ہائے وہوئے در فگندہ درسما

وہ ہاؤ ہُو آسمان تک پہنچتی تھی وہ سماع شہوت سے ناشی نہ تھا مگر وہ صورۃً بدعت تھا اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے بدعتی پیر سے ہمارا بھی سلام کہہ دینا مرید نے واپس ہوکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام پہنچایا آپ نے فرمایا کہ پورے الفاظ کہو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے ہیں۔ آپ کو کشف سے معلوم ہوگیا ہوگا اس نے کہا کہ جب حضور کو معلوم ہو چکا تو مجھ سے ہی کیوں کہلواتے ہیں فرمایا تم قاصد ہو اور قاصد کی زبان مُرسِل کی زبان ہوتی ہے اس کا لطف الگ ہے غرض مجبوراً اس نے وہی الفاظ کہے تو آپ پر وجد طاری ہوگیا رقص کرتے تھے اور فرماتے تھے ؎

(۱) رسوائی ہوگی (۲) بانسری کی طرح میرے دو منہ ہیں جیسے اس کا ایک منہ ہونٹوں میں چھپا ہوتا دوسرے منہ سے فریاد نکل رہی ہوتی جس سے اس نے آسمان سر پر اٹھایا ہوا ہوتا ہے۔

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی جواب تلخ می زیبد لبِ لعلِ شکر خارا (۱)

ان حضرات کا سماع شعر کے ساتھ خاص نہ تھا بلکہ مفید الفاظ کے ساتھ بھی نہ تھا چنانچہ ایک بزرگ تھے ان کو کیواڑ کی آواز پر وجد ہو جاتا تھا اور پنکھے کی آواز سے وجد ہوتا تھا ان لوگوں پر ملامت نہیں۔

محبوب کے کلام کا مزہ

اور شاہ ابولمعالی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو اپنے مرید سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سننے کی درخواست کی حالانکہ ان کو بذریعہ کشف خود بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا معلوم ہو گیا تھا وجہ اس کی یہ ہے کہ محبوب کا کلام سننے میں محبّ کو اور ہی مزہ آتا ہے چنانچہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے فرمایا کہ کلام اللہ سناؤ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہی پر تو نازل ہوا اور میں آپ کو پڑھ کر سناؤں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو دوسرے سے سننا اچھا معلوم ہوتا ہے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی تلاوت فرماتے تھے وجہ یہ ہے کہ سننے کا اور مزہ ہے اور پڑھنے کا اور محبوب کا کلام بلکہ نام سننے میں بھی مزہ آتا ہے اس لئے ابونواس شاعر کہتا ہے ۔

اَلَا فَاسْقِنِیْ وَقُلْ لِیْ هِیَ الخَمْرُ وَلَا تَسْقِنِیْ سِرًّا مَتَی اَمْکَنَ الْجَهْرُ

ساقی کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ شراب پلاتا جا اور یوں بھی کہتا جا کہ یہ شراب ہے یہ شراب ہے معلوم ہوا کہ سننے میں کچھ اور ہی لطف ہے۔

---

(۱) آپ نے مجھ کو گالی دی/ برا بھلا کہا اور میں خوش ہوں اللہ آپ کو معاف کرے آپ نے صحیح فرمایا آپ جیسے شیریں لبوں کے لئے ایسا تلخ جواب ہی زیبا ہے۔

محبوب کی ہر ادا محبوب ہے

صحابہ رضی اللہ عنہم عشاق تھے انکو ہر ادا آپ کی محبوب تھی۔ترش روئی بھی اور خوش روئی بھی جیسے بچہ کی ہر ادا محبوب ہوتی ہے ہنسنا بھی محبوب رونا بھی محبوب منہ بگاڑنا بھی محبوب اس کی شوخی بھی محبوب بلکہ والدین اس کا اہتمام کرتے ہیں کہیں بچہ کا کلّہ توڑ لیا چپت ماردیا کہ وہ روئے منہ بگاڑے غصہ کرے اور کیا نام بتلایا جاوے۔محبوب کی بہت سی ادائیں ہیں جن کا نام بھی نہیں ؎

خوبی ہمیں کرشمہ وناز وخرام نیست بسیار شیوہ ہاست بتاں راکہ نام نیست (۱)

ان کی سب ادائیں دلکش ہیں دل بند ہیں عشق کی شان ہی دوسری ہے اس حالت میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ترش روئی کیوں ناگوار ہوئی ہوگی اگر ان نابینا صحابی کے آنکھیں بھی ہوتیں تب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ترش روئی ناگوار نہ ہوتی اور جبکہ آنکھیں بھی نہ تھیں تو ایذا کا شائبہ بھی نہیں ہوسکتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب کی وجہ

پھر جو عتاب ہوا تو وجہ اس کی یہ ہے کہ ''حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْنَ '' کہ اچھے لوگوں کی حسنات مقربین کے لئے سیئات ہوتی ہیں جتنی زلّات انبیاء علیہم السلام کی مذکور ہیں سب طاعات تھیں مگر چونکہ صورۃً یا مجازاً ذنب تھیں اس لئے ان کو ذنب کہا گیا۔زَلّاتِ انبیاء علیہم السلام ذنب حقیقی نہیں کیونکہ وہ اس سے معصوم ہیں۔کلام بہت

(۱) ان کی ہر ادا ہی مر مٹنے کے قابل ہے کسی خاص ادا کی بات نہیں بلکہ معشوقوں کی تو بہت سی ادائیں ہوتی ہیں جن پر مرا جاتا ہے جن کا کوئی نام نہیں ہوتا۔

بڑھ گیا مقصود یہ ہے کہ جب آیت ﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ﴾ (۱) نازل ہوئی تو ظاہر مقتضا اس کا یہ تھا کہ حضور ﷺ مشقت کم کر دیتے اور صحابہ علیہم السلام نے یہی سمجھا بھی کہ اس سے مقصود مشقت ومجاہدہ کا کم کر دینا ہے مگر واقع میں اس آیت کا یہ مقصود نہ تھا وجہ اس کی یہ ہے کہ عبادت مقصود بالذات ہے اور تعلق بحق اس کو مقتضا ہے کہ کبھی عبادت کم ہی نہ ہو۔ ؎

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزدِ مکن   کہ خواجہ خود روشِ بندہ پروری داند (۲)

عارف شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ؎

فراق ووصل چہ باشد رضائے دوست طلب   کہ حیف باشد از وغیر او تمنائی (۳)

اشکال کا جواب

اگر کوئی کہے اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ رضا مقصود ہے جب رضا مقصود ہوئی تو طاعت مقصود بالغیر ہوئی اور تم نے پہلے کہا ہے کہ عبادت مقصود بالذات ہے حالانکہ یہاں اس کے خلاف ثابت ہوتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عبادت کے مقصود بالذات ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس سے ایسی کوئی چیز مقصود نہیں جس کا عبادت سے تعلق شدید نہ ہو جیسے کیفیات وغیرہ کہ ان کا عبادت سے تعلق شدید نہیں اور رضا ایسی نہیں بلکہ اس کا عبادت سے دو وجہ سے شدید تعلق ہے ایک تعلق یہ کہ عبادت پر اس کا ترتب موعود (۴) ہے دوسرا تعلق یہ کہ خود اس پر بھی عبادت کا ترتب لازم ہے یعنی اول عبادت سے رضا ہوتی

(۱) ''اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ بخشد یئے ہیں'' (۲) تو مزدور وفقیر کی طرح معاوضے کی شرط لگا کر بندگی نہ کر کیونکہ آقا تو بندہ پروری کے انداز سے خوب واقف ہیں (۳) وصل وفراق کی کیا حیثیت ہے دوست (اللہ) کی رضا کو طلب کرنا ہے اس لئے کہ اس سے اس کی رضا مندی کے سوا کچھ اور طلب کرنا باعث ننگ ہے (۴) عبادت کرنے پر اللہ کی رضا حاصل ہونے کا وعدہ ہے۔

ہے پھر اس کی برکت سے عبادت کی مزید توفیق ہوتی ہے بلکہ جب تک ان کی رضا نہ ہو طاعت ہوتی ہی نہیں جس سے اللہ میاں راضی ہوتے ہیں طاعت بھی وہی کرتا ہے اور جس سے راضی نہیں ہوتے اس کو طاعت کی توفیق ہی نہیں ہوتی۔

رضائے الٰہی کی دلیل

چنانچہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ سے جو کوئی آ کر شکایت کرتا کہ حضرت اللہ اللہ کرتا ہوں مگر نفع نہیں ہوتا اس پر آپ فرماتے کہ یہ تھوڑا ہے کہ اللہ اللہ کرتے ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ میاں تم سے راضی ہیں اگر تمہارا اللہ اللہ کرنا مقبول نہ ہوتا تو تم کو دربار میں گھسنے ہی کیوں دیتے یعنی اللہ اللہ کرنے کی توفیق ہی نہ ہوتی۔

ایک آقا اور ایک غلام بازار کو جارہے تھے راستہ میں نماز کا وقت آ گیا غلام نماز پڑھنے گیا اور آقا مسجد سے باہر بیٹھا رہا اس کو مسجد میں دیر ہوگئی تو آقا صاحب نے پکارا، اس نے جواب دیا کہ آنے نہیں دیتا، آقا نے کہا کون نہیں آنے دیتا؟ اس نے کہا جو تجھ کو اندر نہیں آنے دیتا وہ مجھ کو باہر نہیں آنے دیتا۔

مشہور ہے کسی کا بچھڑا مسجد میں گھس گیا تھا مسجد کے ملّا خفا ہونے لگے تو وہ شخص کہتا ہے کہ کیوں خفا ہوتا ہے تو نے ہمیں بھی کبھی مسجد میں دیکھا ہے یہ بیوقوف تھا چلا آیا منحوس، مسجد میں نہ آنے پر فخر کرتا ہے حاصل یہ ہے کہ بعض کو توفیق ہی نہیں ہوتی بس جن سے اللہ میاں خوش ہوتے ہیں انہیں کو توفیق بھی ہوتی ہے یہ کیا اچھا نکتہ ہے بھلا کسی کافر سے کلمہ تو پڑھوالو۔ وجہ یہی ہے کہ اللہ میاں اس سے خوش نہیں ہیں اس لئے اس کو توفیق ہی نہیں ہوتی۔ ﴿اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰی اَفْوَاهِهِمْ﴾(۱) دنیا میں بھی ہے آخرت میں تو ہوگا ہی اور وہاں کا ختم یہاں ہی کے ختم کا ثمرہ ہوگا۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حکایت بیان فرمائی مثنوی کی مثنوی میں عجیب اسرار

(۱) ''قیامت کے دن ہم ان کے مونہوں پر مہر لگادیں گے'' سورۂ یٰسٓ: ۶۵۔

ہیں، ایک شخص کا قصہ ہے کہ وہ اللہ اللہ کیا کرتے تھے شیطان ان کے پاس گیا اور کہا کیوں چلاتا ہے کوئی پوچھتا بھی نہیں، تتمہ قصہ سے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ بعض بزرگ مرید ہوتے ہیں اور بعض مراد، مرید ذرا نخرے کرے تو اللہ میاں پوچھتے بھی نہیں اور یہ شخص مراد تھا اس لئے اس کے ساتھ خاص معاملہ ہوا وہ یہ کہ شیطان کے کہنے پر تو یہ ذکر ترک کر بیٹھا مگر حق تعالیٰ کی طرف سے کشش کی گئی یعنی خطاب ہوا کہ ہمارا نام کیوں نہیں لیتا۔ اس نے کہا کیا نام لوں نہ جیک ہے نہ پیام نہ سلام ہے نہ کلام اُدھر سے جواب ملا ؎

گفت آں اللہ تو لبیک ماست ویں نیاز وسوز و دردت پیک ماست (۱)

یہ قاصد ہر ایک کے پاس نہیں جایا کرتا۔ غرض طاعت کی توفیق ہونا یہ بھی رضا کا اثر ہے۔

مقصود پر نظر ہو ثمرات پر نہیں

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ طالب کو چاہیئے کہ ثمرات پر نظر نہ کرے اگرچہ ثمرات حاصل ہوتے ہیں مگر ثمرات کی فکر میں نہ لگے اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی اہلمد سرکاری کام کر رہا ہے تو اگر عین کام کرنے کی حالت میں وہ اپنے ذہن میں یہ سوچنے لگے کہ مجھ کو جو بیس روپیہ تنخواہ کے ملیں گے اس میں یہ یہ چیز گھر کی لاؤں گا گیہوں اتنے کے دال اتنے کی گھی اتنے کا اور یہ خیال ایسا بندھا کہ سرکاری کاغذ میں بھی یہ لکھ جاوے ظاہر ہے کہ اس سے کیسی خرابی ہوگی اور یہ خرابی ہوتی کا ہے سے تنخواہ کا خیال جمانے اور اس کے مستحضر رکھنے سے اس کو

(۱) ارشاد فرمایا کہ یہ جو تم اللہ اللہ کہتے ہو یہ ہماری طرف سے لبیک ہے اور یہ سوز و درد تمہیں دیا ہے یہ ہماری طرف سے پکار ہے۔

چاہئے تھا کہ اس وقت خدمت سرکاری کا خیال جما تا اور اسی کو مقصود سمجھتا اور پھر یہ ثمرہ بھی مرتب ہوتا کہ تنخواہ بھی ملتی اور سامان بھی مہیا ہوجاتا۔ اسی طرح مقصود طاعت ہونی چاہیئے ثمرات بھی اس پر مرتب ہوجاتے ہیں مگر مطلوب درجہ مذکور میں ثمرات نہ ہونے چاہئیں۔

اسی خیال جمنے کے متعلق ایک لطیفہ یاد آیا کہ ایک منشی جی اپنی بیوی کو خط لکھ رہے تھے کہیں چڑیا او پر بیٹھی تھی اس نے خط پر بیٹ کردی آپ نے اس کو گالی دی کہ تیری اُس میں قلم اور اس مضمون کا ایسا خیال غالب ہوا کہ خط میں بھی یہی لکھ گئے وہ خط بیوی کے پاس پہنچا بیوی نے بہت بُرا مانا اور ان کولکھ کر بھیجا انہوں نے لکھا کہ میں نے تو چڑیا کو گالی دی تھی وہ غلطی سے خط میں لکھی گئی، پس زمانہ طلب میں ثمرات پر نظر کرنے کا یہی انجام ہوتا ہے کہ کام بگڑ جاتا ہے۔

صاحبو! طلب مطلوب ہے ثمرات مطلوب نہیں ثمرات کے درپے ہونے والا ہمیشہ پریشان رہے گا بعض تو استحقاق کے خیال سے ثمرات کے منتظر رہتے ہیں یہاں تک کہ اگر ثمرات نہ ملیں تو ایک قسم کی شکایت حق تعالیٰ کی دل میں پیدا ہوتی ہے کہ اتنے دنوں سے سعی (۱) کررہے ہیں مگر کچھ بھی نہیں ہوتا یہ تو بہت ہی خطرناک حالت ہے اور بعض محض بھولے پن سے ثمرات کے منتظر رہتے ہیں یہ مذکورہ خرابی ان میں نہیں ہوتی مگر اتنا بھولا پن خود نقص ہے۔

طالبِ ثمرات کا نقصان

غرض ثمرات کی فکر کو چھوڑ و محبوب و مقصود پر نظر رکھو۔ مثلاً واعظ کے وعظ پر اگر ثمرہ مرتب نہ ہو (یعنی اثر نہ ہو) تو اس سے پریشان نہ ہو افسوس ہے ان لوگوں پر کہ ثمرات مرتب نہ ہوں تو اس سے پریشان ہوتے ہیں۔

(۱) کوشش۔

کانپور میں ایک شخص نے ایک عمل پڑھا تھا اور جس کتاب میں دیکھ کر پڑھا تھا اس میں یہ لکھا تھا کہ بعد عمل پورا ہونے کے بعد ایک پری پیکر جنّیہ آوے گی چنانچہ وہ عمل پورا کرنے کے بعد اس کے منتظر رہے جنّیہ وغیرہ کچھ بھی نہ آئی انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ اس کے نہ آنے پر میں وہاں سے اٹھ کر تھیٹر میں چلا گیا، میں نے مزاحاً کہا اسی واسطے نہیں آئی تھی کہ یہ تھیٹر کے ارادہ میں ہے یہ تو ایک لطیفہ کے طور پر حکایت تھی اصل یہ ہے کہ وصول مطلوب نہیں طلب مطلوب ہے اور تصوفی مذاق پر تو ایک عملی نکتہ ہے لیکن ایک معنی کر یہ محققانہ علمی مسئلہ ہے دیکھنا یہ چاہیئے کہ وصول ہے کس کے اختیار میں اللہ تعالیٰ کے یا بندہ کے، ظاہر ہے کہ وصول انہیں کے اختیار میں ہے ایک مقدمہ تو یہ ہوا دوسرا یہ کہ قصد کس کے فعل کے متعلق ہوتا ہے اپنے فعل کے یا دوسرے کے فعل کے، اب ظاہر ہوگیا کہ وصول کے مقصود ہونے کے کچھ معنی ہی نہیں وہ تو اس کے اختیار ہی میں نہیں پس طلب ہی خود مقصود ہے کیونکہ یہ اس کا فعل ہے اس لئے اس کو اپنا کام کرنا چاہیئے۔

کارِ خود کن کارِ بے گانہ مکن ۔۔۔ در زمینِ دیگراں خانہ مکن (۱)

جو تمہارا فعل نہیں اس کا قصد کیوں کرتے ہوں اس طرح سے یہ محققانہ مستدلانہ نکتہ ہے۔

بندہ کی شان

بہر حال طلب مقصود ہے کام کئے جاؤ کچھ بھی ہو بندہ کی شان بندہ ہونے کی حیثیت سے یہ ہے کہ طاعت کئے جائے بس طاعت مقصود ہے اگر اس کے بعد کوئی رتبہ یا نعمت بھی مل جاوے تو طاعت کیوں چھوڑے اور آپ کی تو بڑی شان

(۱) اپنا کام کرو دوسرے کا کام نہ کرو دوسرے کی زمین پر اپنا گھر نہ بنا۔

ہے آپ تو طاعت کیوں چھوڑنے لگے تھے۔ اگر امت میں کسی کو معلوم ہو جاوے کہ جنت میں جاؤں گا تب بھی عمل نہ چھوڑے یا اگر معلوم ہو جائے کہ دوزخ میں جاؤں گا تو بھی نہ چھوڑے یہ ہے طلب کا فرض اگر کوئی غلام سے پانی مانگے اور وہ کہے کہ کیا ملے گا تو یہ بڑی بے ادبی ہے سو یہ امر مطلق طاعت کے باب میں تو ظاہر ہے مگر مشقت شدیدہ کے متعلق ظاہر نہ تھی۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے سوال کا باعث

اس لئے آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کے ذنوب تو معاف کردئے گئے (۱) ہیں پھر آپ اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں اور باعث (۲) اس کا یہ تھا صحابہ رضی اللہ عنہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق تھا اس لئے آپ کی تکلیف گوارا نہ تھی وہ یہ چاہتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر مشقت نہ ہو اس آیت کو سننے سے ان کا ذہن اسی طرف گیا کہ اس آیت سے غرض آپ کی مشقت کا کم کرنا ہے جیسا دوسری آیت میں ارشاد ہے: ﴿مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰٓى﴾ (۳) ایک مقدمہ تو یہ ہوا دوسرا مقدمہ ان کے ذہن میں یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ مشقت گوارا فرماتے ہیں اس کا بڑا حصہ امت کی وجہ سے ہے کہ آپ غایت درجہ امت پر شفیق تھے حدیث میں آتا ہے کہ بعض دفعہ تمام تمام رات اسی آیت کے تکرار میں گذر جاتی ﴿اِنۡ تُعَذِّبۡهُمۡ فَاِنَّهُمۡ عِبَادُكَ ۚ وَاِنۡ تَغۡفِرۡ لَهُمۡ فَاِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ﴾ (۴) کہ اے اللہ ”اگر آپ ان کو (یعنی میری امت کو) عذاب دیں تو آپ کے بندے ہیں اور اگر مغفرت فرمادیں تو آپ زبردست حکمت والے ہیں“ تو ان کو یہ گوارا نہ تھا کہ کسی درجہ میں ہم بھی آپ

(۱) آپ کے گناہ تو معاف کردئے گئے (۲) اور اس کا سبب یہ تھا (۳) ”ہم نے آپ پر قرآن اسی لئے نہیں اتارا کہ آپ تکلیف اٹھائیں۔ سورۂ طٰہٰ:۲ (۴) ”اگر آپ ان کو سزا دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ ان کو معاف فرمادیں تو آپ زبردست ہیں حکمت والے ہیں“ سورہ مائدہ:۱۱۸۔

کی مشقت کا سبب بنیں اس مقام پر آپ کا ایک کمال پیش نظر ہو گیا کہ آپ باوجود اتنے بڑے رتبہ کے ہم ناکاروں کو نہیں بھولتے تھے اور ہماری یہ کیفیت ہے کہ اگر کسی کو ذرا سا رتبہ مل جاتا ہے تو وہ سب کو بھلا دیتا ہے اور تماشا یہ کہ یہ مشہور کیا ہے کہ اصلی کمال یہی ہے کہ رتبہ ملنے پر دوسروں کو بھول جائے بعض اس قسم کی حکایت نے لوگوں کے صحیح علوم کا ناس کر دیا ہے مثلاً حکایت ہے کہ ایک شخص نے کسی بزرگ سے عرض کیا کہ حضرت کسی خاص وقت میں میرے لئے بھی حق تعالیٰ سے دعا کیجئے گا۔ ان بزرگ نے جواب دیا کہ نفرین ہے اُس خاص وقت پر جس میں تم یاد آؤ(۱) یا تو یہ حکایت گھڑی ہے اور اگر کسی بزرگ نے کہا بھی تو یہ غلبۂ حال تھا۔ غلبۂ حال کی حقیقت یہ ہے کہ عقل ٹھکانے نہیں رہتی غلبۂ حال کی صورت میں بے عقلی کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں یہ کمال نہیں ہے۔

مجذوب حقیقی وعرفی

ایک درویش سے میرے سامنے ان کے ایک مرید نے پوچھا تھا کہ سلوک افضل ہے یا جذب؟ انہوں نے جواب دیا کہ شراب کے حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے عقل جاتی رہتی ہے اس سے عقل کا نعمت ہونا سمجھ لو اور جذب میں یہی عقل جاتی رہتی ہے اس سے سمجھ سکتے ہو کہ جذب کوئی کمال نہیں اور اس تقریر میں مجذوب سے مراد عوام کی اصطلاح کا مجذوب ہے باقی خواص کی اصطلاح کے موافق تو سب انبیاء علیہم السلام مجذوب ہوئے ہیں۔ مجذوب خواص کی اصطلاح میں اس کو کہتے ہیں کہ جس کے واسطے کشش ہو جاوے حق تعالیٰ کی طرف سے جو اس آیت میں مذکور ہے:

﴿اَللّٰهُ يَجْتَبِىٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِىٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ﴾ (۲) "یعنی اللہ کھینچ لیتا

(۱) اس خاص وقت پر افسوس ہے جس میں تمہاری یاد آئے (۲) سورۂ شوریٰ: ۱۳۔

ہے جس کو چاہے اور ہدایت کرتا ہے اپنی طرف اس کو جو انابت کرے‘‘ ﴿یُنِیبُ﴾ کی ضمیر اس شخص کی طرف راجع ہے یہ دونوں دولتیں (اجابت اور انابت) مقبولوں کو نصیب ہوتی ہیں اور جو گمراہ ہوتا ہے نہ اس کی طرف سے انابت (۱) ہوتی ہے نہ ادھر سے جذب (۲) ہوتا ہے بس مردود ہو جاتا ہے، شیطان جو مردود ہوا تو اسی وجہ سے کہ ادہر سے انابت نہ ہوئی اور ادھر سے جذب نہ ہوا بس گمراہ ہو گیا اور جو مجتبیٰ ہوتے ہیں اگر ان سے خطا بھی ہو جاتی ہے تو دھو دھلا کر ٹھیک کر دیتے ہیں پس اس اصطلاح خاص کے موافق تو جملہ انبیاء علیہم السلام مجذوب ہوئے ہیں البتہ عوام کی اصطلاح کے موافق کوئی نبی مجذوب نہیں ہوا کیونکہ عوام کی اصطلاح میں مجذوب اس کو کہتے ہیں جس کی عقل جاتی رہے اور نبی کوئی ایسے نہیں ہوئے بلکہ سب اعلیٰ درجہ کے دانشمند تھے۔

عقل کی فضیلت

عقل ہی انسان میں اچھی چیز ہے جس کی وجہ سے یہ تمام چیزوں پر فوقیت رکھتا ہے ایک حدیث شرح الصدور میں بروایت احمد طبرانی وابونعیم وابن ابی الدنیا نقل کی ہے وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ’’اے عمر کیا حال ہوگا قبر میں جبکہ ایسے ایسے فرشتے آویں گے اور ایسا ایسا پوچھیں گے اس وقت کیا حال ہوگا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمائیے کہ اس وقت عقل بھی ہوگی یا نہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جیسی عقل اب ہے ایسی ہی ہوگی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ پھر کیا ڈر ہے رہبر موجود ہے حق تعالیٰ کا فرستادہ ہے وہ ہمیں جواب سکھا دیگا‘‘ اسی پر بعضے بزرگوں نے توکل کر کے کہا ہے ؎

(۱) نہ اس کو طرف سے رجوع ہوتا ہے (۲) نہ ادھر سے کھینچاؤ۔

گر نکیر آید و پرسد کہ بگو ربّ تو کیست گویم آنکس کہ بود ایں دل دیوانۂ ما[1]

بھلا بجز مقبولانِ خاص کے ایسے خوف میں کوئی ایسا جواب دے سکتا ہے کیا وہاں کوئی چونچلے بگھارنے[2] دیگا مگر ان مقبولین کو وہاں بھی شاعری سوجھے گی۔ سو یہ جب ہی ہوسکتا ہے جبکہ عقل کامل موجود ہو اور اس کے ساتھ ہی اُدھر سے بھی تائید ہو۔

اللہ کی مدد

اس تائید پر ایک واقعہ سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ[3] کا پشاور کا یاد آگیا سید صاحب کے پاس علمائے باکمال کہ ہر ایک ان میں سے ایک ایک فن میں ماہر تھا حاضر ہوئے اور غرض ان کی آپ کا امتحان لینا تھا کیونکہ آپ کی شہرت ہو رہی تھی اور یہ بھی مشہور تھا کہ سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ علوم درسیہ میں کوئی صاحب کمال نہیں ہیں ان کو تو مولوی اسمٰعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولوی عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اڑا رکھا ہے جیسے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت بعض نے کہا تھا کہ ان کو تو ان کے خلفاء علماء نے مشہور کر رکھا ہے وہ خود صاحب کمال نہیں ہیں۔ سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کافیہ تک پڑھا تھا جیسے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کافیہ تک پڑھا تھا۔ یہ علماء آپ کو دق[4] کرنے کی غرض سے جمع ہوئے تھے۔ غرض انہوں نے آپ سے مختلف فنون کے چند سوالات کئے۔ سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کبھی داہنی طرف دیکھ کر جواب دیتے تھے اور کبھی بائیں طرف جب علماء چلے گئے تو کسی نے پوچھا کہ آپ داہنی اور بائیں جانب دیکھ دیکھ کر کیوں جواب دے رہے تھے؟ فرمایا کہ جب علماء آئے تو میں نے حق تعالیٰ سے دعا کی اے اللہ میری سُبکی نہ ہو اللہ تعالیٰ نے ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی روح کو میری داہنی جانب اور شیخ بوعلی سینا کی روح کو

(۱) اگر منکر نکیر آکر پوچھیں کہ تیرا رب کون ہے تو میں کہہ دونگا کہ وہ ہے جس نے مجھے یہ دیوانہ دل دیا ہے
(۲) نخرے کرنے دیگا (۳) سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ (۴) پریشان کرنے کے ارادے سے۔

بائیں جانب حاضر کردیا جب علماء منقولات کا سوال کرتے تو میں حضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کرکے جواب دے دیتا تھا اور جب معقولات کا سوال کرتے تو شیخ سے دریافت کرکے بیان کردیتا تھا۔ یہ وجہ تھی دائیں بائیں مائل ہونے کی۔خدا تعالیٰ اپنے بندوں کی مدد فرماتے ہیں۔

تو ان ہی سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ جب آپ نے کافیہ شروع کیا تو کتاب کے حروف اڑ گئے ایک لفظ بھی آپ کو نظر نہ آیا نہایت مغموم ہوئے حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب سے کہا انہوں نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کو آپ سے اور کام لینا ہے پڑھنا چھوڑ دو اب جو ان سے خدمت دین کی ہوئی معلوم ہے کہ کیا کچھ ہوئی۔

شاہ اسماعیل شہید کا علم اور سادگی

اسی طرح بعض علماء مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کچھ سوالات لے کر آئے تھے آپ اس وقت گھوڑا مل رہے تھے علماء نے خود انہی سے پوچھا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب کہاں ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اگر ملیں گے تو کیا کہو گے کیا پوچھو گے؟ علماء نے کہا تجھے کیا بتلاویں تو تو گھوڑا ملنا جانتا ہے تو علمی مضامین کو کیا جانے پھر بھی آپ نے فرمایا کہ مجھ سے کہو تو سہی تا کہ میں دیکھوں کہ یہ سوالات مولوی اسمٰعیل سے کرنے کے ہیں یا نہیں چنانچہ انہوں نے ایک موٹا سا سوال کیا آپ نے اس کا جواب دے دیا پھر ان کو معلوم ہوگیا کہ یہی ہیں مولوی اسمٰعیل تو انہوں نے آپ سے چند سوالات کئے آپ نے فی البدیہہ (۱) ان کے جوابات فرمادیئے علماء حیران تھے کہ کیسا علم ہے گھوڑے کو کھریرا (۲) بھی کرتے جاتے ہیں اور علمی اشکالات بھی حل کرتے جاتے ہیں اس کے بعد واپس چلے گئے اصل یہ ہے

(۱) فوراً (۲) گھوڑے کو کھرے سے کھجاتے بھی جاتے ہیں۔

کہ خدا تعالیٰ کی تائید سے سب کام ہوتے ہیں عقل بھی ان ہی کی تائید سے رہبر ہوسکتی ہے خواہ منکر نکیر کچھ ہی کہیں وہی عقل تائید حق سے مل کر جواب بتلا دے گی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس نکتہ کو سمجھے۔ دیکھا عقل کیسی بڑی چیز ہے۔

کاملین کی پہچان

اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو عاقل بنایا ہے مغلوب الحال نہیں ہوئے مغلوب الحال سے بے عقلی کے آثار ظاہر ہوتے ہیں اگر کسی نے یہ بات (کہ تم دعا میں خاص وقت میں کب یاد آؤ گے) گھڑی ہے تب تو بدعقلی ہے ورنہ بے عقلی کا جواب ہے اب اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ دوسری طرف متوجہ ہونا فنا کے خلاف ہے اور فنا مراتب کمال میں سے ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ بالکل یاد نہ رہنا ناقص حالت ہے اگرچہ عوام اس کو کمال سمجھتے ہیں اور بالکل یاد رہنا یہ بھی ناقص حالت ہے کامل حالت ان کی ہے جو جامع بین الضدین (۱) ہیں مثال اس کی یہ ہے کہ ایک آئینہ ہے اس میں مثلاً چہرہ نظر آتا ہے محبوب کا مگر ایک شخص تو صرف آئینہ کو دیکھ رہا ہے محبوب کو نہیں دیکھتا یہ شخص آئینہ کا عاشق ہے ناقص ہے۔ ایک شخص وہ ہے جو محبوب کو تک رہا ہے آئینہ کو دیکھتا ہی نہیں یہ محقق نہیں کیونکہ ایک شے درمیان میں ہے مگر اس کو دیکھتا ہی نہیں تو اگر یہ شخص آئینہ کو خریدنے لگے تو کیسے خریدے گا اور ایک شخص وہ ہے کہ محبوب کو تو دیکھ رہا ہے مگر آئینہ پر بھی اس حیثیت سے نگاہ ہے کہ وہ ذریعہ ہے محبوب کے دیکھنے کا اس کی حالت یہ ہے کہ ؂

بر کفے جام شریعت بر کفے سندانِ عشق ہر ہوسنا کے نداند جام وسندان باختن (۲)

(۱) دو متضاد باتوں کو جمع کرنے والے (۲) ایک ہاتھ میں شرعی احکام دوسرے میں عشق کے دستور ہر خواہش مندان دونوں باتوں کو جمع نہیں کرسکتا۔

یہ سب تین حالتیں ہوئیں اس لئے بعض وہ لوگ ہیں جن کی نظر مخلوق کی طرف بالکل نہیں یہ مقبول ہیں مگر ناقص ہیں اور بعض وہ ہیں جن کی توجہ ہمہ تن مخلوق ہی کی طرف ہے یہ مطرود (۱) بھی ہیں۔ ایک وہ ہیں کہ اصالۃً تو محبوب کو دیکھ رہے ہیں مگر مخلوق کی طرف بھی اس حیثیت سے نظر ہے کہ مخلوق ذریعہ ہے محبوب کے دیکھنے (۲) کا یہ لوگ کامل ہیں انبیاء علیہم السلام کی یہی حالت تھی اگر انبیاء علیہم السلام کو مخلوق کی طرف توجہ نہ ہوتو وہ نفع ہی نہیں پہنچا سکتے مخلوق کی طرف ان کو نہایت توجہ ہوتی ہے چنانچہ سیر کی روایت ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم معراج کے وقت مقام قرب میں پہنچے تو حق سبحانہ کی طرف سے سلام ارشاد ہوا کہ (السلام علیك ایها النبی ورحمة الله وبرکاته)(۳) آپ نے جواب میں فرمایا (السلام علینا وعلی عباد الله الصالحین)(۴) دیکھئے مخلوق سے وہاں بھی نظر شفقت نہ اٹھائی حالانکہ ایسا قرب کا درجہ تھا کہ کسی کو بھی میسر نہیں ہوا مگر پھر بھی آپ امت کو نہ بھولے۔

اولیائے کاملین کا حال

اس کے علاوہ قیامت سے زیادہ کونسا زیادہ پریشانی کا وقت ہوگا۔ یا یوں کہو کہ وہ اس قدر زیادہ قرب کا وقت ہے جس میں عام عشاق کی یہ کیفیت ہوگی ؎

عاشقاں را با قیامت روزِ محشر کار نیست　　عاشقاں را جز تماشائے جمالِ یار نیست (۵)

اور تطبیق یہ ہے کہ عوام کے اعتبار سے تو پریشانی کا وقت ہوگا اور خواص کے لحاظ سے

(۱) راندۂ درگاہ (۲) اصل مقصود تو محبوب کا مشاہدہ ہے لیکن مخلوق چونکہ اس کا ذریعہ ہے اس حیثیت سے اس کو بھی دیکھتے ہیں (۳) سلام ہو تم پر اے نبی اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں (۴) ہم پر بھی سلامتی ہو اور اللہ کے نیک بندوں پر بھی (۵) عاشقوں کو قیامت اور روز محشر سے کیا کام ان کو تو اپنے محبوب (اللہ) کے دیدار کی تمنا ہے کہ وہ حشر میں ہوگا۔

قرب کا ان کو پریشانی بالکل نہ ہوگی چنانچہ ارشاد ہے ﴿لَا یَحزُنُھُمُ الفَزَعُ الاَکبَرُ (۱)
تو حضور ﷺ کو کس درجہ قرب ہوگا۔ مگر حضور ﷺ امت کو وہاں بھی نہ بھولیں گے
۔ چنانچہ شفاعت فرمادینگے سو کمال یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ بالذات (۲)
ہو اور مخلوق کی طرف اس حیثیت سے توجہ ہو کہ وہ مرآۃ ہیں اور ایسے حضرات اولیاء
متوسطین ہیں جو محبوب ہی کو دیکھتے ہیں آئینہ کی طرف التفات نہیں کرتے ان کی توجہ
دوسری طرف ہوتی ہی نہیں اور کاملین کے اوقات منقسم ہوتے ہیں خلوت کا وقت اور
جلوت کا وقت اور خلوت کے وقت بلاواسطہ محبوب کی طرف نظر کرتے ہیں اس
وقت ان کا یہ حال ہوتا ہے جس کو عاف شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ؎

بفراغِ دل زمانے نظرے بماہ روئے — بہ ازاں کہ چترِ شاہی ہمہ روز ہاؤ ہوئے (۳)

اور جلوت میں یہ ہوتا ہے کہ افادہ کرتے ہیں مخلوق کو۔

مشاہدہ حق کی دو صورتیں

اور یہ محبوب ہی کا امر ہے کہ اس وقت ہمیں مرآۃ (۴) میں دیکھو ہم اس میں نظر آئیں گے گو اس صورت میں اتنی لذت نہیں جتنی بلاواسطہ دیکھنے میں ہے مگر امتثال مقصود ہے (۵) گو بواسطہ نظر کرنے میں ایک قسم کا حجاب ہوتا ہے اسی کو حضور ﷺ فرماتے ہیں اِنَّہٗ لَیُغَانُ عَلٰی قَلْبِیْ (۶) مگر وہ حجاب اور کدورت محض طبعیہ ہے شرعیہ نہیں اس کو معصیت (۷) نہیں کہہ سکتے۔ اب رہا باوجود معصیت نہ ہونے

(۱) ''ان کو بڑی گھبراہٹ غم میں نہ ڈالے گی'' سورۂ انبیاء: (۲) اصل میں آدمی اللہ کی طرف متوجہ ہو اور مخلوق کی طرف اس حیثیت سے متوجہ ہو کہ وہ بمنزلہ آئینہ کے ہے (۳) میرے چتر شاہی میں تو ہر وقت واویلا رہتا ہے تھوڑی دیر کو میں نے دل کو سب باتوں سے فارغ کرلیا تاکہ اپنے محبوب کے چہرے کی طرف نظر کرسکوں (۴) آئینہ میں دیکھو (۵) اطاعت مقصد رہے (۶) بے شک کہ یہ بات میرے دل کو ڈھانپ دیتی ہے (۷) گناہ۔

کے حضور ﷺ کا استغفار فرمانا تو وہ بوجہ معصیت کے نہ تھا بلکہ قرب پیدا کرنے کے لئے تھا اور استغفار جیسے معصیت کو رفع کرتا ہے اسی طرح کدورت طبعیہ کو بھی رفع کرتا ہے بس خواص کی یہ حالت ہوتی ہے کہ کسی وقت عین میں ہیں یعنی مشاہدہ ذات میں اور کسی وقت غین میں یعنی حجاب میں مگر اس وقت بھی وہ عین میں ہی ہیں صرف ایک نقطہ بڑھ جاتا ہے اور وہ نقطہ مخلوق ہے مگر وہ اس میں بھی امتثال امر کر رہے ہیں کیونکہ مرآۃ کے بھی تو حقوق ہیں اس وقت وہ ان کو ادا کر رہے ہیں۔ یہ کمال کی بات ہے کہ کبھی محبوب پر نظر بواسطہ ہے اور کبھی بلاواسطہ۔

اور اس سے کسی کج فہم کو یہ شبہ نہ ہو کہ جب مخلوق مرآۃ ہے تو لڑکوں اور عورتوں کو بھی واسطہ بنانے میں بھی کچھ حرج نہ ہونا چاہیئے اور خوب گھورنا چاہیئے۔ اس لئے کہ یہ چیزیں فی نفسہ مرآۃ تو ہیں مگر محبوب نے مختلف مرآیا میں (۱) سے خود بعض مرآۃ کی تعیین کردی ہے کہ ہمیں فلاں مرآۃ میں سے دیکھو اور فلاں میں سے مت دیکھو پس ایسی مرآۃ میں دیکھنے کی اجازت نہیں دی اسواسطے دیکھنا درست نہ ہوگا۔

حضور ﷺ کی صحابہ رضی اللہ عنہم کو تعلیم

بہرحال انبیاء علیہم السلام کی عقل کامل ہوتی ہے ان کو مخلوق کی طرف توجہ کرنے میں بھی طاعت ہی مقصود ہے اس لئے آپ امت کو یاد رکھتے اور دعا فرماتے اور مشقت اٹھاتے تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے مشقت کے دو سبب سمجھ کر ایک کو دل سے ایک کو زبان سے پیش کر کے عرض کیا کہ آپ اتنی محنت نہ کیجئے کیونکہ ﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ﴾ آپ کے لئے نازل ہو چکا ہے، آپ نے جواب

(۱) کچھ شیشوں میں سے بعض شیشوں کو متعین کر دیا کہ ہمیں اس شیشے میں سے دیکھو۔

میں ارشاد فرمایا: ((اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا)) کیا میں شکر گذار بندہ نہ بنوں حضور ﷺ کا مقصود یہ تھا کہ مغفرت نامہ کا جو مطلب سمجھے ہو وہ صحیح نہیں (کہ عبادت میں کمی کردی جائے) بلکہ یہ معلوم ہو کر تو عبادت میں اور زیادتی ہونی چاہیئے اور حق تعالیٰ کا شکر کرنا چاہیئے اس عبادت شاقہ کا ایک مقتضا نہ سہی یعنی طلب مغفرت کیونکہ وہ حاصل ہوئی دوسرا مقتضا تو موجود ہے یعنی شکر۔

قاعدہ کلیہ

اس حدیث سے ایک قاعدہ کلیہ معلوم ہوگیا وہ یہ کہ اگر کوئی اطاعت کی جائے کسی مقصود کے واسطے اور قبل طاعت کے مقصود حاصل ہوجاوے تو اس طاعت کو نہ چھوڑا جاوے۔ پس فقہاء کے قول کی من وجہ [1] یہ حدیث اصل ہوسکتی ہے کہ اگر نماز استسقاء سے قبل بارش ہوجاوے تب بھی نماز پڑھ لیں اور اصل من کل الوجوہ (۲) اس کو اس لئے نہیں کہا کہ من کل الوجوہ اصل کہنے پر کچھ سوالات ہوسکتے ہیں مثلاً ایک یہی کہ استدلال کلی کی صورت میں اس کا (یعنی اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا کا) مقتضا یہ ہوگا کہ اگر استسقاء کی نماز پڑھ کر بھی بارش ہوجاوے تو پھر نماز پڑھے اور پھر بارش ہوجاوے تو پھر پڑھے حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ استسقاء بہ ہیئتِ خاصہ منقول ہے (۳) اس میں رائے کو دخل نہیں ہوسکتا دوسرے یہ لازم آوے گا کہ ہمیشہ بارش کے بعد نماز استسقاء پڑھا کرے شکر عطا (۴) کے طور پر سو باوجودیکہ وہ شکر کررہا ہے نعمت کا مگر فقہاء اس کو بدعت قرار دیں گے معلوم ہوا کہ اصلِ تام کچھ اور ہی ہے کیونکہ اگر کوئی اصل مستقل نہ ہوتی تو فقہاء اس پر یہ

(۱) ایک اعتبار سے (۲) ہر اعتبار سے اس کو اصل اس لئے نہیں قرار دیا (۳) کیونکہ نماز استسقاء ایک طریقہ پر حضور ﷺ سے منقول ہے (۴) اللہ نے بارش عطا فرمائی جو نعمت ہے اس کے شکریہ کے طور پر۔

احکام مرتب نہ کرتے اور وہ وجہ مجھ کو معلوم نہیں پس چونکہ من وجہ یہ حدیث اصل تھی اس لئے بیان کر دیا۔ بہرحال احکام کی خصوصیات میں فقہ کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے ہاں اگر شکر کو عام لے لیا جاوے جو مخصوص بہ ہیئت نماز استسقاء (۱) نہ ہو بلکہ کسی دوسری صورت سے ہو مثلاً مطلقاً طاعات میں زیادتی یا زبان سے صیغہ شکر ادا کرنا تو اور بات ہے اس کو ہر نعمت کے بعد مشروع کہیں گے۔ (۲)

عطائے نعمت کے بعد شکر

بہرحال اتنا قاعدہ ضرور سمجھ میں آتا ہے کہ بعد عطا کے بھول نہ جائے طاعت کو چھوڑے نہیں اس کے مؤیدات (۳) اور بھی بیان کرتا ہوں مثلاً یہ آیت ہے: ﴿ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَ لَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ﴾ (۴) جو چیزیں اس آیت میں مذکور ہیں یعنی نسیان اور خطا وغیرہ ان پر مواخذہ نہ ہونا اس کا لوگوں سے وعدہ ہو گیا تھا اور پہلی آیت یعنی ﴿ اِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ﴾ (۵) بالمعنی العام منسوخ (۶) ہو گئی تھی نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرما دیا ہے کہ (رُفِعَ عَنْ أُمَّتِيَ الْخَطَآءُ وَالنِّسْيَانُ) (۷) مگر پھر بھی یہ حکم ہوا کہ یوں ہی مانگے جاؤ اور یہ دُعا تعلیم کی گئی تو بات یہ ہے کہ منسوخ ہونے کے قبل تو

(۱) جو نماز استسقا کی صورت میں نہ ہو (۲) ہر نعمت کے بعد زبان سے یا کثرت عبادت سے اللہ کا شکر ادا کرنا یہ البتہ شرعی حکم ہو سکتا ہے (۳) اس کی تائید میں کچھ آیات اور بیان کرتا ہوں (۴) ''اے ہمارے رب ہم پر دارو گیر نہ فرمائیں اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں اے ہمارے رب اور ہم پر کوئی سخت حکم نہ بھیجئے۔ جیسا ہم سے پہلے لوگوں پر آپ نے بھیجے تھے۔ اے ہمارے رب اور ہم پر کوئی ایسا بار نہ ڈالئے جس کی ہم کو سہار نہ ہو'' سورۂ بقرہ: ۲۸۶ (۵) ''جو باتیں تمہارے نفسوں میں ہیں ان کو اگر تم ظاہر کرو گے یا کہ پوشیدہ رکھو گے حق تعالیٰ تم سے حساب لیں گے'' سورۂ بقرہ: ۲۸۴ (۶) عام معنی کے اعتبار سے اب یہ حکم نہیں ہے (۷) میری امت سے خطا اور بھول معاف کر دی گئی۔

یہ سوال طلب کے لئے تھا کہ ہم سے یوں مانگا کرو اب بطور شکر کے ہے کہ جیسے ہم ملنے سے پہلے محتاج تھے اب بھی محتاج ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اللہ ہی کا فرمان ہے

افعال میں بھی اس کی نظیر موجود ہے وہ یہ کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تشریف لائے اور فتح ہوئی مدینہ شریف میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو بخار آیا تھا وہاں کی آب وہوا خراب تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے پھر اچھی ہوگئی تو عمرہ کے وقت کفار مکہ نے کہا تھا کہ (وَهَنَتْهُمْ حِمَىٰ يَثْرِبَ) یعنی ان کو یثرب کے بخار نے ضعیف کردیا ہے (یثرب مدینہ شریف کا زمانۂ جاہلیت میں لقب تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بدل کر مدینہ نام رکھا) غرض اس وقت صحابہ رضی اللہ عنہم پر علالت کا اثر تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کے وقت فرمایا ذرا دوڑ کر اور سینہ ابھار کر چلنا جس کو رَمَل کہتے ہیں تاکہ کفار پر مسلمانوں کی قوت ظاہر ہو حالانکہ وہ موقع عبدیت کا تھا مگر اکڑ کر چلنا قواعد عبدیت کے خلاف تھوڑا ہی ہے اور یہ فرمانا آپ کا نہ تھا اللہ میاں کا فرمانا تھا ۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود　　گرچہ از حلقومِ عبداللہ بود (۱)

کیونکہ جبرئیل علیہ السلام کی معرفت اللہ میاں بندوں کو حکم کریں گے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے واسطے سے تو کریں گے اللہ میاں تھوڑا ہی کہنے آویں گے منادی تو نائب ہی کی زبان سے ہوتی ہے اسی واسطے جن لوگوں نے بلاواسطہ اس کی طلب کی تھی کہ اللہ میاں ہمیں احکام پہنچانے کیوں نہیں آتے ان پر کیسا عتاب ہوا ہے اسی طرح جن لوگوں نے اللہ میاں کے دیکھنے کی طلب کی تھی اور کہا تھا ﴿اَوْ نَرٰی رَبَّنَا﴾ ان پر بھی عتاب ہوا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مظہریت تو بڑے درجہ کی ہے ایک درجہ کی

(۱) ان کا کہا اللہ ہی کا کہا ہے اگرچہ بزبان عبداللہ (اللہ کے بندے کی زبان سے) ہے۔

مظہریت ہر شئے میں ہے اسی واسطے جو شخص توحید کی تہہ کو سمجھے ہوئے ہے وہ ہر چیز میں اللہ ہی کا نور سمجھے گا اور سب چیزوں کو اللہ تعالیٰ کا مرآۃ (۱) جانے گا پس رسول کے فرمانے کو تو بدرجہ اولیٰ اللہ تعالیٰ ہی کا فرمانا خیال کرے گا، اسی لئے کہا ہے ؎

جملہ یک نورست لیکن رنگہائے مختلف اختلافے درمیانِ این وآں انداختہ (۲)

حقوقِ جلوہ خداوندی

اور اس سے شرک نہ نکالا جائے مثلاً کوئی یوں کہنے لگے کہ جب سب جگہ اسی کا جلوہ ہے تو بتوں میں بھی اسی کا جلوہ ہوا اس لئے بت پرستی میں بھی کوئی قباحت (۳) نہ ہونی چاہیئے۔

جواب یہ ہے کہ گو ہر چیز میں اسی کا جلوہ ہے اور سب چیزیں اس کے لئے مرآۃ ہیں (۴) مگر صاحب جلوہ کے کچھ حقوق ہیں وہ حقوق صاحب جلوہ سے ہی پوچھنا چاہیئے۔ اگر محبوب یوں کہہ دے کہ میں کپڑے بدلتا ہوں مجھ کو برہنہ مت دیکھنا تو کیا دیکھنا درست ہوگا ہرگز نہیں اسی طرح جلوہ تو ہر چیز میں ہے مگر بتوں میں ہمیں اس جلوہ دیکھنے کی اجازت نہیں اسی طرح عورتوں اور لڑکوں میں جلوہ تو ہے مگر ان میں اس تجلی کے دیکھنے کی اجازت نہیں۔ ہم نے مانا کہ انہی کی تجلی ہر جگہ ہے اور ان ہی کی شان میں صادق آتا ہے ؎

---

(۱) ہر چیز کو بمنزلہ آئینہ خداوندی سمجھے گا (۲) سارے انوار ایک ہی ذات کی طرف مشیر ہیں مگر مختلف رنگوں میں ہیں پس یہاں اور وہاں کا فرق ہے جیسے کسی نے کہا ہے ؎

گلستان میں جاکر ہر اک گل کو دیکھا تیری ہی سی رنگت تیری ہی سی بو ہے

(۳) کوئی برائی (۴) مثل آئینہ ہیں۔

حسن خویش از روئے خوباں آشکارا کردۂ پس بچشم عاشقاں خودرا تماشا کردۂ(۱)

لیکن اگر ہر صورت میں مشاہدہ کی اجازت ہو تو محبوب کے ننگے پن میں کیا کہا جائے گا وہاں بھی اجازت ہونی چاہیئے اس تقریر کے بعد یہ مسئلہ مظہریت مشرکین کے کام کا نہیں یہ موحدین کے کام کا ہے(۲)۔ غرض بعض مرأۃ (۳) وہ ہیں جن میں محبوب کے دیکھنے کا حکم ہے جیسے شیطان کو حکم ہوا تھا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کر تو آدم علیہ السلام مرأۃ تھے (۴) باری تعالیٰ کے لئے وہاں اس کو حکم کی تعمیل کرنا چاہیئے تھی وہاں بھی تو انہی کا جلوہ تھا مگر وہ نامعقول بلاواسطہ تجلی کا طالب تھا واسطہ سے منکر تھا اس لئے عتاب ہوا کہ کیوں ہمارے حکم کی تعمیل نہیں کی۔ اس مسئلہ مظہریت کی تعبیر میں کبھی تسامح بھی ہو جاتا ہے چنانچہ بعض اہلِ حال نے خدا تعالیٰ کو سورج کے ساتھ تشبیہ دی ہے چنانچہ کہا ہے ۔

زدریا موج گوناگوں برآید زبیرنگی برنگِ چوں در آید(۵)

دوسرے کے کام میں دخل نہ دو

مگر اس قسم کے اشعار اہلِ حال کی زبان پر کھپتے ہیں عوام کو بطور دعوے کے نقل کا بھی حق نہیں ۔

کار بوزینہ نیست نجاری(۶)

اس کا قصہ یہ ہے کہ بندر نقال تو ہوتا ہی ہے ایک موقع پر بیٹھا ہوا تھا وہاں دو بڑھئی

(۱) حسین چہروں میں اپنے چہرے کے حسن کا ظاہر فرمایا ہے پھر عاشقوں کی نظر سے خود اس کا مشاہدہ کر رہا ہے (۲) یہ مسئلہ کہ ہر چیز مظہر شان خداوندی ہے مشرکوں کے کام کا نہیں بلکہ موحدین کے کام کا ہے کہ ان کو ہر چیز میں اللہ کی قدرت نظر آتی ہے (۳) بعضے شیشے (۴) حضرت آدم علیہ السلام ایک آئینہ کی مانند تھے سجدہ اللہ ہی کو ہوتا اللہ کے حکم کی اس کو اطاعت کرنی چاہیئے تھی (۵) دریا کی موجیں سورج کی شعاعیں پڑنے کی وجہ سے مختلف رنگوں میں نظر آرہی ہیں اس بے رنگی میں رنگوں کے ساتھ تیری ذات ظاہر ہو رہی ہے (۶) کارپینٹری بندر کا کام نہیں ہے۔

لکڑی چیر رہے تھے وہ حقہ پینے چلے گئے یہ اس لکڑی پر بیٹھ گیا لکڑی میں کھونٹی لگی ہوئی تھی اس کے بعض دولتیں (یعنی خصیتین) اس لکڑی کے اندر آ گئے اس نے کھونٹی کو (۱) نکالدیا اس کے نکالنے سے دونوں تختے لکڑی کے آپس میں مل گئے بس ہو گئے دولتمند اب لگے تڑپنے اور چلانے بڑھئی نے آ کر خوب ڈنڈے سے خبر لی۔ اب یہ مصرعہ ضرب المثل ہو گیا ایسی بات کے لئے جو اپنی کرنے کی نہ ہو اور اس میں دخل دے تو اس قسم کے اشعار اہل حال اور اہل ناز ہی کو کھپتے ہیں ہر ایک کا کام نہیں ؎ ناز را روئے بباید ہمچو ورد (۲)

مثلاً باپ کی داڑھی ایک تو بچہ نوچے تو اس پر ملامت نہیں اور بچے کو دیکھ کر بڑا بھی نوچنے لگے تو اس پر جوتیاں پڑیں گی بڑے کو کیا حق ہے ناز کا۔ بہرحال مسئلہ مظہریت و نیابت کی بنا پر حضور ﷺ کا فرمانا خدا تعالیٰ کا فرمانا ہے (۳)

رَمَل میں حکمت

آپ نے فرمایا گویا خدا تعالیٰ نے فرمایا اس لئے طواف میں سینہ ابھارو گو بظاہر خلافِ عبدیت تھا مگر چونکہ اس کا حکم تھا اس لئے وہی عبدیت تھا ؎

چوں طمع خواہد زمن سلطانِ دیں   خاک برفرقِ قناعت بعد ازیں (۴)

غرض اس وقت ایک مصلحت سے دوڑ کر چلنے اور سینہ ابھارنے کا حکم ہوا

(۱) بڑھئی جب کسی لکڑی کو درمیان سے کاٹتے ہیں تو اس کے اوپر ایک چھوٹی لکڑی پھنسا دیتے ہیں تا کہ درمیان میں خلا ہونے کی وجہ سے آری آسانی سے چل سکے۔ اور تختے کے چیرنے میں آسانی ہو (۲) ناز کرنے کے لئے بھی گلاب جیسا چہرہ ہونا چاہیے (۳) حضور ﷺ چونکہ مظہر حیات خداوندی بھی تھے اور اللہ کے نائب بھی تھے اس لئے آپ کا فرمان اللہ ہی کا فرمان ہے (۴) جب بادشاہ ہی مجھ سے یہ چاہے کہ میں طمع اور لالچ کا اظہار کروں تو ایسے وقت میں قناعت کرنے پر میں خاک ڈالتا ہوں۔

تھا پھر مکہ بھی فتح ہوگیا اور پھر بھی اسی طرح حج وعمرہ ہوا مگر قیامت تک یہی حکم رہا کہ جولوگ طواف کریں وہ اسی طرح اکڑ کر چلا کریں پہلے تو تھا مصلحت سے پھر رہ گیا اظہار حکمت کے لئے گویا اس وقت کا استحضار (۱) مقصود ہے ایک وقت میں تو قوت دکھانے کی ضرورت تھی اور دوسرے وقت استحضار مقصود ہے اس حالت کی یہ فعلی نظیر ہے۔

حصول مقصود کے بعد بھی شکر لازم ہے

اسی طرح استسقاء میں ہے گو کہ مقصود حاصل ہوگیا مگر بھولنا اب بھی نہ چاہیئے پہلے طلب کے لئے تھا اور اب شکر کی غرض سے ہے اس کی تائید کلام اللہ میں اور بھی ہے اور وہ یہ آیت ہے ﴿رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ط اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ﴾ (۲) یہ تو ظاہر ہے کہ جس امر کا وعدہ حق تعالیٰ فرما چکے ہیں وہ ملے ہی گا۔ خدا تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتے پھر کیا معنی ہیں ﴿وَاٰتِنَا مَاوَعَدْتَّنَا﴾ کے اس کی توجیہ بعض نے یہ کی ہے کہ ہم کو اس وعدہ کا اہل بنادیجئے مگر یہ تاویل بعید ہے کیونکہ یہ تو مومن سے وعدہ ہے اور وہ تو اس وعدہ کا اہل ہے ہی پھر یہ کہ ﴿لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ﴾ کیوں بڑھایا گیا واقعہ یہ ہے کہ تذکیر ہے نعمت کی اور عبدیت کی کہ جیسے وعدہ میں محتاج تھے وعدہ کے بعد بھی محتاج ہی رہے بعد وعدہ کے بھی یوں ہی کہا کریں ﴿وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا﴾ اور ﴿اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ﴾ بہرحال نصوص قرآنیہ اور احادیث مؤیّد ہیں (۳) اس کے کہ بعد عطا کے

---

(۱) اس وقت کو ذہن میں حاضر رکھنا (۲) ''اے ہمارے پروردگار جو آپ نے وعدہ کیا ہے اپنے رسولوں کی معرفت عنایت کیجئے اور ہم کو قیامت کے دن رسوا نہ کیجئے بلاشبہ آپ کا وعدہ خلاف نہیں'' سورۂ ال عمران: ۱۹۴

(۳) قرآن وحدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

بھی طاعت کو نہ چھوڑا جائے جب نصوص سے ایک قاعدہ کلیہ نکل آیا تو اس کی ایک فرع یہ بھی ہے کہ بعد عزم کے اگر بارش بھی ہو جاوے تو نماز استسقاء کو ترک نہ کیا جائے (۱) پہلے طلب کے لئے تھی اب شکر کے لئے ہے حاصل یہ ہے کہ بعد عطا کے وہ فرد ہوگی شکر کی اس لئے اس کو کرنا چاہیئے اور یہ بات میں عیدگاہ میں بیان کر چکا ہوں کہ سبب بارش نہ ہونے کا عصیان ہوتا ہے اس لئے گناہوں سے توبہ کرنا چاہیئے اب خدا تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ توفیق مرحمت فرمادیں۔ فقط

(ناچیز محمد یوسف بجنوری عرض کرتا ہے کہ ایک روز تو نماز استسقاء کی ہوئی تھی جس میں مولوی شبیر احمد صاحب دیوبندی امام تھے اور حضرت والا نے بعد نماز کے وعظ بیان فرمایا تھا جس کا نام ''نشر الرحمۃ'' ہے اس کے بعد رات میں غالباً جمعہ کی رات کو کچھ بارش ہوئی پھر جمعہ میں وعظ ہوا جو ان اوراق میں درج ہے اس میں لوگوں کو ترغیب دی گئی کہ گویا بارش ہو چکی ہے مگر نماز کے تین دن پورے کر لینے چاہئیں چنانچہ شنبہ کو پھر نماز ہوئی اور حضرت ہی نے امامت فرمائی اس میں جو تقریر کی بھی وہ بھی اسی وعظ میں ملحق کی گئی جو درج ذیل ہے یہ دو وعظ یعنی ''نشر الرحمۃ'' اور ''شکر العطاء'' معہ اس تقریر کے اس قابل ہیں کہ ہم جیسے کچے پکے واعظین ان کا مطالعہ کر کے اس قسم کے مواقع پر بیان کر دیا کریں)۔

ہماری بے حسی

تقریر: یہ میں پہلے دن بیان کر چکا ہوں کہ استغفار کرنا اور گناہوں کا چھوڑنا اور طاعت میں کوشش کرنا یہ ذریعہ ہے خدا تعالیٰ کی رحمت کے متوجہ ہونے اور بارش برسنے کا مگر افسوس ہے کہ کسی نے اصلاح نہ کی نہ گناہوں سے توبہ کی بلکہ

(۱) نماز استسقاء پڑھنے کا ابھی ارادہ ہی کیا ہو اور بارش ہو جائے تب بھی بطور شکر نماز پڑھ لی جائے۔

ایک کھلے واقعہ پر نظر کر کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہم لوگوں نے کچھ بھی توجہ نہ کی وہ کھلا واقعہ یہ ہے کہ جیسا مجمع اس سے پہلے ہوا تھا آج اس کا عشر عشیر بھی نظر نہیں آتا۔ صاحبو! یہ اعراض کی صورت ہے یا یوں سمجھ لیا ہے کہ بارش تو ہو ہی گئی اب اللہ میاں کی کیا ضرورت ہے ہاں بھائی جب کھانے پینے کو مل جاوے تو پھر خدا کی کیا ضرورت۔ خیر کسی مسلمان کا یہ عقیدہ تو ہے نہیں مگر طرز عمل یہی ہو رہا ہے۔ افسوس ہماری عقل پتھر کے برابر بھی نہیں۔

خوفِ خدا سے رونے کا فائدہ

ایک پتھر کی حکایت ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کی کہ آپ کا گذر ایک موقع پر ہوا تو آپ نے ایک پتھر کو دیکھا کہ زار زار [1] رو رہا ہے آپ نے اس کا سبب پوچھا اس نے کہا کہ جب سے مجھ کو یہ خبر ملی ہے کہ دوزخ کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے بوجہ خوف کے میں اس وقت سے رو رہا ہوں۔ آپ کو رحم آیا اور حق سبحانہ تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا کہ اسے تو دوزخ سے بچا ہی دیجئے۔ آپ کی التجا قبول ہوگئی اور آپ نے اُس پتھر کو بشارت دیدی اور آپ آگے تشریف لے گئے دوبارہ جو اس پر گذر ہوا تو دیکھا کہ وہ پتھر پہلے سے بھی زیادہ رو رہا ہے۔ اُس سے آپ نے فرمایا اب کیوں روتا ہے اُس نے عرض کیا کہ یہ دولت تو مجھ کو رونے ہی سے ملی ہے اس کو اور زیادہ کیوں نہ کروں اس وجہ میں نے پھر رونا شروع کر دیا افسوس کہ ہم میں اس پتھر کے برابر بھی سمجھ نہیں چھوٹی موٹی دعا سے تو یہ ہوا کہ تھوڑا سا مینہ برس گیا اور اس کو تھوڑا کہنا ہم لوگوں کے خیال سے ہے ورنہ تھوڑا کہاں ہے رحمت کا تو ایک قطرہ بھی بہت ہے ہم کو تو چاہیئے تھا کہ اور رغبت ظاہر کرتے۔

---

(۱) بہت زیادہ رو رہا ہے۔

اہتمام دعاء

مگر شاید یہ سمجھ لیا کہ اب کیا کرنا ہے بارش تو ہو ہی گئی افسوس سمجھتے ہی نہیں یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ میاں قبول تو کرتے ہی نہیں پھر کیا دعا مانگیں میں کہتا ہوں کہ محض حکم ہی سے دعا کرو افسوس ہمیں یہ خبر نہیں کہ مانگنے ہی سے ملا کرتا ہے حاکم مجازی کے یہاں درخواست دینے پر لپٹے رہو تو نوکری ملتی ہے۔ صاحبو! انکا ارادہ بھی ہمارے مانگنے پر متوجہ ہوتا ہے ان کا امر ہے کہ مانگو ہم دیں گے تم مانگو گے تو ارادہ بھی ہوگا اور وہ تو بے مانگے بھی دیتے ہیں مانگنے پر تو کیوں نہ دیں گے بلکہ اگر نہ ملے تب بھی مانگنا چاہیئے دیکھو جس مریض کی طرف سے ناامیدی ہو جاتی ہے کہ وہ دوا سے اچھا نہ ہوگا تو اس کا علاج ترک نہیں کر دیتے پھر بھی دوا کئے جاتے ہیں اگر کوئی منع بھی کرے کہ میاں آرام تو ہوتا ہی نہیں پھر کیوں دوا کرتے ہو، تو یہی کہتے ہیں کہ واقعی ناامیدی تو ہے مگر کیا کریں طریقہ یہی ہے دل نہیں مانتا پھر دعا میں ایسا کیوں نہیں کرتے کہ اگر نہ ملے تب بھی مانگے جائیں اور یہ سمجھیں کہ طریقہ یہی ہے ملنے کا ملے یا نہ ملے اور دوا میں تو دام بھی خرچ ہوتے ہیں (۱)۔ دعا میں کونسے پتھر ڈھونے پڑتے ہیں ہمیں تو شریعت نے آسان آسان باتیں بتلا دی ہیں اور شاید کسی کو یہ وسوسہ ہو کہ اللہ میاں بکثرت مانگنے سے ناراض ہوتے ہونگے۔ سو سمجھ لو کہ وہ کسی کے مانگنے سے نہیں گھبراتے بلکہ خوش ہوتے ہیں اس خیال کی اصلاح کرنی چاہیئے اور امید رکھنی چاہیئے جی لگا کر دعا کرو دل میں رغبت پیدا کر لو بے رغبتی میں اندیشہ ہے اور لوگ تو بار بار مانگنے سے ناراض ہوتے ہیں مگر اللہ میاں بار بار مانگنے سے خوش ہوتے ہیں بلکہ نہ مانگنے سے ناراض ہوتے ہیں اللہ میاں کو اپنے اوپر

(۱) پیسے بھی لگتے ہیں۔

قیاس مت کرو ان کی رحمت بڑی وسیع ہے خوب دل لگا کر دعا کرو ان شاء اللہ ضرور بارش ہوگی۔

اس وقت اسی قدر بیان کافی ہے پچھلے مواعظ میں اس کے متعلق بیان وافی ہو چکا ہے اب خوب گڑگڑا کر دعا کرو اور توبہ کرو اور آئندہ کے لئے اصلاح کی فکر رکھو۔

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقه سیدنا محمد نبی الرحمة ووسیلة النعمة وعلی آله واصحابه اجمعین وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین ۔(۱)

(۱) اللہ تعالیٰ ہم سب کو اہتمام دعا کی توفیق عطا فرمائیں آمین۔

خلیل احمد تھانوی

۲۱/ ربیع الاول ۱۴۳۱